

حق کی تلاش

ہر انسان کا بنیادی فریضہ

محمد اقبال مُلّا



مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشورز، نئی دہلی ۲۵

پیش کش شعبہ دعوت، جماعت اسلامی ہند
مطبوعات ہیمن و لیفیر ٹرست (رجسٹرڈ) نمبر ۹۷۳
© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	حق کی تلاش—ہر انسان کا بنیادی فریضہ
مصنف	:	محمد قبائل ملا
صفحات	:	۸۰
اشاعت	:	۲۰۱۵ء اگست
تعداد	:	۱۱۰۰
قیمت	:	۳۸ روپے/-
ناشر	:	مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشورز ڈی ی ۳۰، دعوت نگر، ابوالفضل انہیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵ فون: ۰۱۱-۲۶۹۸۲۳۳۷، ۰۱۱-۲۶۹۸۲۸۵۸؛ فیکس: ۰۱۱-۲۶۹۸۲۴۵۲
مطبوعہ	:	اتج-ائیں آفٹ پرنٹرز، نئی دہلی-۲

HAQ KI TALAASH (Urdu)
By: Mohammad Iqbal Mulla
Pages: 80
Price: ₹ 48.00

فہرست مضمایں

مقدمہ	•
چند ضروری باتیں	•
انسان کی اہم ذمہ داری	•
ایک خدا کو ماننا گزیر ہے	•
اسلام کا تصور الہ	•
شرک سب سے بڑا گناہ	•
قرآن پر ایمان لانا ضروری ہے	•
اوتا روادیا رسالت	•
زراشنکس اور کلکی اوتا ر	•
حضرت محمد ﷺ کی مختصر سیرت	•
آدمگمن یا اسلام کا تصور آخرت	•
جنت اور جہنم کے مناظر	•
کلمہ شہادت (اسلام کا بنیادی کلمہ)	•
قبول حق کے بعد	•
آخری بات	•
کتابیات	•

انتساب

ان بھائیوں اور بہنوں کے نام
 جو اپنے خالق اور معبودِ حقیقی، اللہ کے عطا کردہ سچے مذہب (حق) کی
 تلاش میں مخلص ہیں،
 ماضی کے ناقص تصوّرات، حال کے تعصّبات، آباء پرستی کے بندھن
 سے آزاد ہونا چاہتے ہیں اور جہنم کی ہول ناک آگ سے بچنے کا
 شدید جذبہ رکھتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

یہ کتاب حق کی تلاش میں سرگردان بھائیوں اور بہنوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ حق کو پانا گویا اللہ کو پانا ہے۔ حق اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور حق سارے انسانوں کے لیے ہے۔ اللہ نے انسان کو حق نعمتیں بھی عطا کی ہیں، ان میں حق سب سے زیادہ ثقیتی اور اہم ہے۔

نظامِ حق کو کوئی ایک انسان، خواہ وہ تاریخ کا سب سے بڑا مفکر یادداشت و رہی کیوں نہ ہو، یا سارے انسان مل کر بھی وضع نہیں کر سکتے۔ انسان نے نظامِ زندگی ترتیب دینے کی بارہ کوشش کی ہے لیکن ناکام رہا ہے۔ اس نے حق کے نام پر خود ساختہ افکار و نظریات اور مذاہب وضع کیے ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ وہ حق نہیں ہیں۔

یہ کام اللہ نے انسان کو سونپا ہی نہیں ہے کہ وہ راہِ حق وضع کرے۔ خالق اور معبدِ حقیقتی اللہ نے پہلے دن سے انسان کو یہ عظیم نعمت عطا کی تھی۔ اس کا نام اسلام تھا۔ جن بزرگ ہستیوں کے ذریعہ یہ نعمت یعنی دین انسانوں کو دیا گیا وہ اللہ کے پیغمبر تھے۔ گماں غالب ہے کہ بھارت میں بھی مختلف ادوار میں پیغمبر آئے ہوں گے۔ انسان اپنی شرارت اور دوسروں پر زیادتی کرنے کی خاطر اس دین حق کو گم اور ضائع کرتا رہا۔ اس میں کسی بیشی کر کے مختلف مذاہب بنالیے۔ آخری بار حضرت محمد ﷺ سارے انسانوں کے لیے جامع اور کامل شکل میں آج سے ۱۳۵۰ سال قبل حق (دین) کو لے کر آئے۔

انھوں نے اس دین کو سارے انسانوں کے لیے پیش فرمایا۔ اسی دین حق کی بنیاد پر ایک نیا انسان، نیا خاندان، نیا معاشرہ اور ایک نیا نظام قائم فرمادیا۔ اس کا رنا مے کی تمام اصولی

اور جزوی تفصیلات تاریخ کے رکارڈ میں محفوظ ہیں۔

جن اللہ کے بندوں کے پاس پہلے سے یہ دین موجود ہے، ان کی اہم اور نازک ذمہ داری ہے کہ اس کی دل و جان سے قدر کریں، اس پر عمل کریں اور اس کو طنی بھائیوں تک اپنے قول عمل اور سیرت و کردار کے ذریعہ پہنچائیں۔ ان کا مقصد وجود بھی دراصل انہی ذمہ داریوں کو ادا کرنا ہے۔ جن کے پاس یہ دین نہیں ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے لیے خدائن دین نہیں بھیجا اور اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ جن کے پاس پہلے سے یہ دین موجود ہے وہ گویا اُس کے مالک یا اجارہ دار ہیں۔ نہیں، بلکہ وہ صرف اس ہدایت کے امین ہیں۔ اس لیے ہمارے طنی بھائیوں اور بہنوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ کھلے ذہن کے ساتھ اسے سمجھنے کی کوشش کریں، انسانی فطرت، عقل و دلیل کی روشنی میں غور و فکر کریں۔ اپنے فائدے، فلاج اور اخروی نجات کو سامنے رکھ کر موت آنے سے پہلے اس کو اپنا کر زندگی کا سب سے بڑا اور اہم فیصلہ کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جس مقصد کے لیے یہ کتاب لکھی گی ہے، وہ پورا ہو۔

میں ڈاکٹر محمد رفت چیئرمین تصنیفی اکیڈمی اور ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی سکریٹری تصنیفی اکیڈمی کا مشکور ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کی تیاری میں دل چھپی لی اور مفید مشورے دیے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جز ائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

نئی دہلی

۲۰ نومبر ۲۰۱۳ء

۱۳۳۶ھرم الحرام ۲۶

محمد اقبال ملّا

سکریٹری شعبہ دعوت، مرکز جماعت اسلامی ہند

E-mail: mdiqbal.jih@gmail.com

چند ضروری باتیں

حق کی تلاش میں سرگردان نیمرے بھائیو اور بہنو!

اللہ آپ کی رہنمائی کرے کہ آپ زندگی کے سچے راستے کی تلاش میں کامیاب ہوں۔
سلامتی ہوان پر جنہوں نے ہدایت کی کیروی کی۔

ہمارے دلیش میں مسلمان اپنے ہندو، دلت، سکھ، عیسائی، بودھ اور جینی وغیرہ بھائیوں کے ساتھ صدیوں سے مل کر محبت اور بھائی چارہ کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ملاقات و تعارف کے اس موقع پر ہم سب کو اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کا کسی قدر تعارف تو آپ بھائیوں کو ہے، کیوں کہ ساتھ مل کر رہنے کی وجہ سے فطری طور پر آپ ان کی خوبیوں اور کم زوریوں کو جانتے ہیں۔ یقیناً کچھ غلط فہمیاں بھی مختلف اسباب سے پائی جاتی ہیں، جنہیں دور کرنے کی کوششیں وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہیں۔ اس سلسلے میں دونوں جانب سے مزید کوششوں کی ضرورت باقی ہے۔ لیکن اسلام کا صحیح تعارف آپ کے سامنے نہیں ہے۔ فطری طور پر بہت سے بھائی بھجھتے ہیں کہ مسلمان جس طرح کے مذہبی عقائد کا اظہار کرتے ہیں، جس طرح عبادات انجام دیتے ہیں، جیسے رسم و رواج اور تیوہار مناتے ہیں اور مجموعی طور پر جو طرز زندگی انہوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ یہی پورا کا پورا اصل اسلام ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آج مسلمانوں کا مجموعی طرز عمل خالص اسلامی نہیں رہ گیا ہے۔ نیک اور صالح مسلمان تو ہمیشہ اور ہر جگہ موجود رہے ہیں اور آج بھی ہیں، لیکن بہ حیثیت ایک گروہ کے مسلمانوں کا طرز عمل خالص اسلام کی مکمل نمائندگی نہیں کرتا۔ تاریخ کے ہر دور میں اسلام کا صحیح تعارف کرنے کی اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ ان کے کچھ

اپنے اثرات بھی ہوئے ہیں، لیکن محض اسلام کا تعارف اور غلط فہمیوں کو دور کرنا کافی نہ تھا۔ مسلمانوں کو بہ حیثیت امت دعوتی فریضہ انجام دینا چاہیے تھا۔ اس میں ان سے کوتاہیاں ہوتی رہی ہیں۔

درج ذیل چند بڑی بڑی غلط فہمیوں پر آپ نظر ڈالیں تو جیران ہو جائیں گے مثلاً:

۵۰۱۲ سال قبل حضرت محمد ﷺ نے اسلام کی بنیاد رکھی۔ مذاہب عالم میں یہ مذہب نیا ہے۔ اسلام کے پیروں کو محدث (محدث) کہتے ہیں۔ اس لیے اسلام محدث ازم ہے۔
(جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام، تاریخ کی ابتداء سے موجود ہے۔)

اسلام مسلمانوں کا قومی مذہب ہے، جس طرح ہر قوم کا ایک مذہب ہے۔ (واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے سارے انسانوں کے لیے ایک ہی مذہب مقرر کیا۔)

محمد ﷺ مسلمانوں کے پیغمبر ہیں۔ دوسری قوموں یا مذہبی گروہوں سے ان کا کوئی واسطہ نہیں۔ (حقیقت یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ساری دنیا کے لیے رحمت ہیں۔)

قرآن کے مصنف محمد ﷺ ہیں۔ یہ مسلمانوں کی قومی اور مذہبی کتاب ہے۔ قرآن میں مسلمانوں کے علاوہ تمام انسانوں کو کافرا و مشرک کہا گیا ہے اور انھیں جان سے مارنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ قرآن کے ہوتے ہوئے امن اور انسانی بھائی چارہ قائم نہیں ہو سکتا۔

(جبکہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے اور ناحق کسی انسان کو قتل کرنے کو گناہ عظیم ٹھہراتا ہے۔)
مسلمان مسجدوں میں پانچ بار اکابر بادشاہ کو پکارتے ہیں۔ (اذان کی طرف اشارہ ہے۔)

جبکہ اکبر آج سے صرف پانچ سو سال قبل گزر رہے اور اذان چودہ سو سال سے دی جا رہی ہے۔

اسلام میں عورت بہت مظلوم ہے۔ پرده کے ذریعہ اس پرختی کی جاتی ہے۔ اسے تعلیم حاصل کرنے اور دیگر حقوق سے محروم کیا گیا ہے۔ (جبکہ اسلام نے عورت کے تمام

انسانی حقوق تسلیم کیے ہیں اور صدیوں کے ظلم سے اسے نجات دلائی ہے۔)

مسلمانوں کے لیے چار شادیاں کرنا لازمی اور ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ہر مسلمان بیس تا پچیس بچے پیدا کرتا ہے۔ (جبکہ مسلمانوں میں دو شادی کرنے والوں کا تناسب ہندوستان کے غیر مسلموں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔)

یہ اور ان کے علاوہ دیگر بہت سی غلط فہمیاں اور بدگمانیاں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں پائی جاتی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نہایت وسیع پیمانے پر ان غلط فہمیوں کو دور کر کے اسلام کا جامع اور حقیقی تعارف کرایا جائے۔ یہ کام موجودہ حالات میں ایک اہم دینی، ملی اور انسانی فرضیہ ہے۔ اس کے بغیر اس ملک میں انسانی بھائیٰ چارہ اور خوش گوار تعلقات کا پیدا ہونا ممکن نہیں ہے۔ کچھ مخلص اور نیک مسلمان اور کچھ تنظیمیں غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو دور کرنے کی مسلسل کوششیں کرو رہی ہیں۔ اس مقصد کے لیے لڑپر کی اشاعت بھی ایک مفید ذریعہ ہے۔ لیکن آج بھی کروڑوں طنی بھائیوں اور بہنوں کے سامنے اسلام کا صحیح تعارف نہیں ہو پا رہا ہے۔ اس سلسلے میں ایک اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ مسلمان اپنی عملی زندگی کو اسلام کا نمونہ بنائیں اور برادران وطن کے ساتھ اسلامی اخلاق اور حسن سلوک کارو یا اختیار کریں تو یہ اسلام کا حقیقی تعارف ہو گا۔

اسلام کے حوالے سے یہ چند اہم باتیں آپ کی خدمت میں پیش کی گئیں، تا کہ آپ ہر طرح کے تعصبات سے بلند ہو کر حق کی تلاش کے سچے جذبے سے تحقیق کی اہمیت و ضرورت کو محسوس کریں۔ آپ کو پیش کی گئی باتوں سے اتفاق یا اختلاف کرنے کی پوری آزادی ہے۔ لیکن ہر انسان کو یہ بہر حال سوچنا چاہیے کہ دین حق کون سا ہے، اس لیے کہ حق کا انکار کرنے کے بعد انسان کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟ اور اخروی زندگی میں اپنے خالق کے سامنے وہ کیا عذر پیش کر سکے گا؟ وہاں وہ خالق کی ناراضی اور اس کے نتیجے میں دوزخ کے ہولناک عذاب کا خطرہ کیوں مولے۔

ظاہر ہے کہ حق کسی فرد یا نامہ بھی گروہ کی اجارہ داری نہیں ہے۔ وہ جغرافیائی سرحدوں کا پابند نہیں۔ حق تو تمام انسانوں کے لیے سعادت مندی اور فلاح و نجات کا ضامن ہوتا ہے۔ حق کا انکار کیا جائے اور اسے جھٹا لایا جائے تو حق ناکام نہیں ہوتا بلکہ اسے جھٹلانے والا انسان یا قوم ناکام ہوتی ہے۔ حق کو جھٹلانے کے بعد جس راہ کو بھی اختیار کیا جاتا ہے، وہ دراصل خدا کی نافرمانی کی راہ ہے۔ اس کا انجام موت کے بعد ہمیشہ کی زندگی میں نجات سے محروم اور جہنم کی آگ کا عذاب ہے۔ آپ محض یہ نہ دیکھیں کہ ان باتوں کو پیش کرنے والا کون اور کیسا ہے؟ بلکہ یہ دیکھیں کہ ان باتوں میں سچائی اور حق کس قدر ہے؟ جو باتیں پیش کی جا رہی ہیں کیا وہ عقل و دلیل کا وزن رکھتی ہیں؟ انسانی فطرت کے مطابق ہیں؟ کیا انسان کے وجود اور کائنات میں پائی جانے والی بے شمار نشانیاں ان

باتوں کی تائید کرتی ہیں؟ یہ بھی دیکھیں کہ کہنے والا یہ بتیں کیوں کہہ رہا ہے؟ کیا اس پیغام سے اس کا کوئی ذاتی یا قومی مفاد وابستہ ہے؟ کھلے اور صاف ذہن سے ان سوالات پر غور کیا جائے تو یقیناً آپ کا دل پکارا ٹھے گا کہ یہ پیغام حق ہے۔ اس کا انکار ایک غیر فطری اور غیر معقول روایہ ہے۔

انسان کو یہ زندگی ایک ہی بار عطا کی گئی ہے۔ موت آنے سے پہلے وہ اپنی بھلائی، برائی، فائدہ اور نقصان کے بارے میں غور و فکر کر سکتا ہے اور فیصلہ بھی لیکن جہاں ایک بار موت آگئی، آنکھیں بند ہو گئیں اور اس کے سفر آخرت کا آغاز ہو گیا تو وہ اپنے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ ہر انسان کا سب سے بڑا مسئلہ موت کے بعد ابدی زندگی میں کامیابی کے حصول کا اور ناکامی سے نجتنے کا ہے۔ اس مسئلہ کو نمیادی اور اہم مسئلہ سمجھنا چاہیے۔ اسے نظر انداز کر کے دنیا میں بے پرواہی کی زندگی بسر کرنا زبردست غلطی ہے۔ آخرت کی ناکامی کا انجام جہنم کی آگ میں جلنے کی شکل میں سامنے آئے گا۔

کتنا ہول ناک ہے یہ انجام! کیا اس سے نجتنے کی کوشش کرنا، ہر انسان کی ذمہ داری نہیں ہے؟

انسان کی اہم ذمہ داری

انسان کی یہ نہایت اہم ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خالق کی عطا کردہ ہدایت اور رہنمائی (مذہب) کو تلاش کرے۔ اسے اپنی طرف سے کوئی نیامد ہب یا نیاراستہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ماضی میں انسان نے یہ کوشش کی ہے اور یمنکڑوں مذاہب ایجاد کر لیے ہیں۔ مذاہب کی یہ کثرت، اس کوشش کی ناکامی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

انسان کے اندر اخلاقی جرأت ہونی چاہیے۔ اگر اس کے باپ دادا تک حق کی روشنی نہیں پہنچ سکی تو حق جہاں سے بھی ملے، غور و فکر اور عقل و دلیل کی بنیاد پر اسے قبول کر لے۔ اس میں کسی بھی رکاوٹ کو حائل ہونے نہ دے۔ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ مذہب کے معاملے میں باپ دادا کے راستے یا طریق زندگی اور مذہبی تصورات کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ دوسرا مذہبی تصورات کو، خواہ وہ کتنے ہی برقع اور معقول ہوں قبول نہیں کرنا چاہیے۔ اس رویے پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہمارے باپ دادا ہجت کے مسافر تھے تو اس راستے پر قائم رہنے اور ان کے مذہبی تصورات کو قبول کرنے میں کوئی غلط بات نہیں ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے انھیں حق نہیں مل سکا، یا وہ اس سے بے خبر ہے اور پھر بھی ہم اپنے آبا اجادوں کے راستے پر ہی چلیں تو پھر کیا ہوگا؟ انسان اصلاً اللہ کا بندہ ہے۔ آبا اجادوں یا کسی اور انسان کا بندہ نہیں ہے۔ اس کے لیے تو ایک ہی راستہ صحیح ہے اور وہ یہ کہ ایک اللہ کی مکمل بندگی اور اطاعت و فرمائ برداری کرے، خود کو غیر مشرف طور پر خدا کے حوالے کر دے۔ اسی کو اللہ پر ایمان یا توحید کہتے ہیں۔ اس تصویر میں شرک سے پچنا بہت ضروری ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔

ایک اہم حقیقت یہ ہے کہ خدا پر ایمان کا مطلب صرف اس کو مان لینا نہیں ہے، بلکہ

اللہ کا صحیح تصور سامنے ہونا چاہیے، اس کی تمام صفات اور ان کے تقاضے معلوم ہونے چاہئیں۔ اسی طرح اس کے پسندیدہ طریقہ زندگی کو جانتا اور مانا ضروری ہے۔ یہ ساری باتیں اللہ نے ہر انسان کو راست طور پر نہیں بتائی ہیں بلکہ اس کا ایک معقول انتظام فرمایا۔ وہ پیغمبروں کا سلسلہ ہے، جو حضرت آدمؑ سے شروع ہو کر آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ختم ہوا۔ اس لیے تمام پیغمبروں کو مانا اور حضرت محمد ﷺ کو آخری پیغمبر تسلیم کرنا ضروری ہے۔ کسی ایک پیغمبر کا انکار تمام پیغمبروں کا انکار ہے، کیوں کہ تمام پیغمبر اللہ کے بھیج ہوئے تھے۔ پیغمبر کا انکار بالآخر اللہ ہی کا انکار ہے۔

حق سامنے آجائے کے بعد ضد اور ہٹ دھرنی، تعصب، نفرت یا مفاد پرستی اور محض آباد اجداد کی تقلید کی خاطر اسے جھٹلادیتا، بہت بڑی ناکامی ہے۔ اس طرح انسان اخروی زندگی میں جہنم کے عذاب کا خطرہ مول لیتا ہے۔

اللہ نے انسان کو عقل و شعور کی نعمتیں عطا کی ہیں۔ اسی کے ساتھ اسے ارادہ و عمل کی آزادی اور اختیار بھی دیا گیا ہے۔ وہ دیگر مخلوقات کی طرح مجبور محض نہیں ہے۔ انسان کو یہ قابلیت اور خصوصی صلاحیتیں، اسے صرف دنیوی ضرورتوں کی تکمیل اور خواہشات کی تکمیل کے لیے نہیں دی گئی ہیں۔ اس طرح تو وہ محض اعلیٰ درجہ کا حیوان بن کر رہ جائے گا۔ جس خالق نے زندگی جیسی بیش بہانہت اور خصوصی صلاحیتیں اسے عطا فرمائی ہیں۔ اس کی خوش نودی کو پاتا، اس کی مرضی اور پسندیدہ طریق زندگی کو (اپنی آزادی اور خود مختاری سے دست بردار ہو کر) اختیار کرنا انسان کی ذمہ داری ہے۔ نیز ایسے شفیق اور مہربان محسن اللہ کی ناراضی سے بچنے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔

اس کے ساتھ غداری اور بے وقاری سے باز رہنا انسان کی سب سے بڑی اور اہم ذمہ داری ہے۔ انسان یہ معلوم کرنے کی کوشش تو کرے کہ آخر اللہ نے اسے زندگی اور مختلف قابلیتیں اور صلاحیتیں کس لیے عطا کی ہیں؟ فرض کیجئے کہ کسی شخص نے دنیا میں اپنی خداداد صلاحیتوں سے بڑے بڑے کارنا مے انجام دیے، لیکن اس نے اپنے خالق کے بتائے ہوئے مقصد زندگی کو پورا نہیں کیا، تو یہ اس کی سب سے بڑی ناکامی ہوگی۔ موت کے بعد اس کوتا ہی کی تلافی کا کوئی موقع اسے نہیں ملے گا۔ ایسی صورت میں کیا یہ ہر انسان کی اہم اور بنیادی ذمہ داری نہیں ہے کہ اپنی موت آنے سے قبل زندگی کے حقیقی مقصد کو معلوم کرے اور اسے اس دنیا میں پورا کرنے کی کوشش

کرے، تاکہ دنیا میں اطمینان و امن و سکون کی زندگی بس رکھ سکے اور موت کے بعد خدا کی خوش نوادی پا کر جنت کی ابدی مسرتوں کا حق دار بن سکے۔

اللہ کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ اس نے انسانوں کو پیدا کیا انھیں زندگی عطا کی اور عقل و شعور کی خصوصی نعمتوں اور صلاحیتوں بخشیں، لیکن انھیں زندگی کا کوئی مقصد نہیں بتایا اور دنیا میں یونہی من مانی زندگی بس رکھنے کے لیے آزاد اور بے لگام چھوڑ دیا۔ پھر موت کے بعد ان کا حساب بھی نہ لے گا۔

ایک اور پہلو سے غور کریں۔ انسان عقل و شعور سے کام لے تو کیا یہ بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ حساب کا ایسا دن نہیں آئے گا جب انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندگی پا کر اللہ کے سامنے حاضر ہو اور اس سے نعمتوں اور اختیارات کے بارے میں بے لگ باز پرس ہو۔ اللہ احتساب کرے۔ کامیاب ہونے والوں کو اپنی رضا اور خوشنودی اور انعام عطا کرے، اور ناکام ہونے والوں کو سخت سزا دے۔ عقل تو کہتی ہے کہ ایسا لازماً ہونا چاہیے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا ہے تو یہ اللہ کی رحمت، عدل و حکمت کے خلاف ہوگا۔ عقل کا یہ فیصلہ بالکل درست ہے۔

انسان کی بھلائی اس میں ہے کہ دنیوی زندگی اور اس کی نعمتوں اور سائل کو اللہ کی بخشش اور عنایات سمجھے، ان کی قدر کرے، اللہ کا شکر گزار بندہ بن کر اس کی مکمل غلامی اور بندگی اختیار کرے۔ اس کے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ جو ہدایت و رہنمائی انسانوں کو دی گئی ہے۔ اس پر ایمان لائے اور حضرت محمد ﷺ کی مکمل پیروی اختیار کرے۔ دنیوی فلاج اور اخروی نجات کا یہ واحد راستہ ہے۔

جن لوگوں کے پاس اللہ کی ہدایت و رہنمائی اور آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کا عملی نمونہ پہلے سے موجود ہے، ان کی ذمہ داری ہے کہ اس پر پوری طرح عمل کریں۔ اپنی زندگی سے تضاد اور نفاق کو ختم کریں۔ اپنی عملی زندگی کو حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کا نمونہ بنائیں اور انسانوں کو پیار و محبت، حکمت اور دل سوزی کے ساتھ حق کی طرف دعوت دیں۔ اس کے نتیجے میں جو سعید روحیں را ہ حق کو اپناتی ہیں ان کی تعلیم و تربیت کا نظم کریں۔ ان کے ساتھ اسلامی اخوت کا برتابہ کرتے ہوئے ان کے مسائل کو اپنے مسائل، ان کی خوشی اور غم کو اپنی خوشی اور غم سمجھیں، انھیں محسوس نہ ہو کہ قبول حق کے بعد وہ سب سے کٹ کر تباہہ گئے ہیں۔

ایک خدا کو ماننا ناگزیر ہے

اللہ کا انکار کرنے والے ہر دور میں کم ہی رہے ہیں۔ بیش تر مذاہب میں اللہ کے وجود کو تسلیم کیا گیا ہے، لیکن مختلف مذاہب میں اس کا تصور یکساں نہیں ہے۔ بلکہ کئی پہلوؤں سے مختلف ہے۔ یوں بھی صرف اللہ کو ایک مان لینا کافی نہیں۔ اللہ سے تعلق کو انسان صرف اپنی عقل، تجربہ اور مشاہدے سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے بھٹک جانے کا اندیشہ ہے۔ کیوں کہ اللہ سو گھنٹے، چھنٹے، دیکھنے اور محسوس کرنے کی چیز نہیں ہے۔ خالق کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا۔ بلکہ اس کو بغیر دیکھنے ان نشانیوں پر غور کرنا ہے جو اس کے وجود کی نشان دہی کرتی ہیں اور پوری کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان پر غور و فکر کر کے ایک اللہ کو مانا، یہی بڑا امتحان ہے۔ انسان کی اصل ضرورت یہ ہے کہ اسے معرفت خداوندی حاصل ہو۔ اللہ کی صفات اور ان کے تقاضے ٹھیک طور سے معلوم ہوں اور اس کی مرضی اور اس کے پسندیدہ طریق زندگی کو وہ اچھی طرح سے جان لے، تاکہ اس پر اخلاص کے ساتھ عمل کر سکے۔

یہ بھی ایک اہم ضرورت ہے کہ اللہ نے انسانی زندگی کا جو مقصد طے کیا ہے، انسان اس کو جان لے اور اس کے حصول میں کامیاب ہو۔ اسی کے نتیجے میں وہ آخرت میں اللہ کی خوش نودی پا کر جنت حاصل کر سکتا ہے۔ اس اہم ضرورت کو اللہ نے خود پورا کیا ہے۔ اس نے انسان کو اس مشکل میں نہیں ڈالا کہ وہ عقل اور قیاسات کے گھوڑے دوڑا کر معلوم کرے کہ اللہ کوں ہے اس کی صفات کیا ہیں۔ محض عقل کے ذریعے ان سوالات کا جواب ڈھونڈنے میں انسان بھٹک جاتا اور شیطان کا شکار ہو جاتا ہے۔ اللہ نے انسانوں کو اپنی ذات و صفات کا تعارف اور تقاضوں کا علم

دینے کے لیے نبیوں اور پیغمبروں کو دنیا میں بھیجا۔ ان کے اوپر کتابیں اور صحیفے نازل کیے۔ آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ ہیں اور اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید ہے۔ انسان کی سلامتی اسی میں ہے کہ وہ اللہ کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور آخری پیغمبر محمد ﷺ کی بیروی اختیار کرے۔ بعض لوگوں کی طرف سے اللہ کا انکار کرنے کے سلسلے میں ایک دلیل دی جاتی ہے کہ وہ ہمیں نظر نہیں آتا، لیکن یہ دلیل بہت کم زور ہے۔ کیوں کہ اللہ کو ماننے کے لیے اس کو دیکھنا شرط نہیں ہے۔ ہم کتنی ہی ایسی چیزوں کو مانتے ہیں، جنھیں کھلی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔ مثلاً فضا (SPACE) کے وجود کو اہل سائنس تسلیم کرتے ہیں لیکن مجر孚ضا ہمیں نظر نہیں آتی۔ یہی معاملہ روح اور قوتِ کشش وغیرہ کا ہے۔

ان سب کو ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے، لیکن ان کی طرف اشارہ کرنے والے حقائق پر غور کر کے ان کے وجود کو مان بھی لیتے ہیں۔ انسان کی آنکھوں میں اتنی قوت نہیں کہ اللہ کو دیکھ سکے۔ تیز دھوپ میں سورج پوری آن بان سے چمک رہا ہو، تو اگر کوئی ننگی آنکھوں سے اسے دیکھنے کی کوشش کرے گا تو اس کی بینائی خراب ہو جائے گی۔ اسی طرح بجلی جب کڑک اور چمک کے ساتھ آسمان پر آتی ہے تو اسے نظر جما کر دیکھنے کی کوشش میں بینائی ختم ہو سکتی ہے۔ ایسی اور بھی بہت سی مثالیں ہو سکتی ہیں۔ حضرت محمد ﷺ نے بتایا کہ ایمان اور یہی اعمال کرنے والے لوگ موت کے بعد جب جنت میں جائیں گے تو وہاں ان کی آنکھوں میں اتنی طاقت ہو گی کہ وہ اللہ کو دیکھ سکیں گے۔ کچھ مذہبی گروہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اسی دنیا میں اللہ کو دکھائیں گے۔ لیکن یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ اس معاہلے میں سمجھنا چاہیے کہ اللہ کو اس زندگی میں دیکھنا ہماری کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہمیں اس سے کوئی فائدہ حاصل ہو گا۔ ضرورت تو اللہ کی ہدایت کو پانے کی ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے کہ اللہ زمین اور آسمانوں کا نور ہے۔

اللہ اپنے بندوں پر نہایت محبت مہربان ہے کہ اس نے اپنی معرفت کی راہ دکھائی اور اپنی صفات کا تعارف پیغمبروں کے ذریعہ سے انسانوں کو عطا کیا اور صفات کے عملی تقاضے بتائے۔ زندگی پر ان کے اثرات کی نشاندہی کی۔ اللہ کی عبادت کرنے اور زندگی میں اسے یاد رکھنے کے سارے طریقے انسانوں کو بتا دیے۔ پیغمبر کی ذمہ داری تھی کہ وہ ان باتوں پر عمل کر کے انسانوں

کے لیے اپنی زندگی کا نمونہ پیش کریں۔ اس کے برعکس کتنے ہی مذہبی گروہ تاریخ میں ایسے گزرے ہیں، جنہوں نے اپنی محدود عقل و قیاس پر بھروسہ کیا، اللہ کی عبادت کے طریقے خود ہی طے کرنے کی نامعقول کوشش کی اور بھٹک گئے۔ کچھ نادان کہتے ہیں کہ مقصود تو ایک اللہ کی ہی پوجا و پرستش کرنا ہے، لیکن درمیان میں واسطے کے طور پر کچھ اور ذرا کم اختیار کر لیے گئے ہیں مثلاً مورتیاں یا شخصیات یا کچھ شکلیں (Forms)۔ ان کی پوجا اور پرستش کر کے معبود حقیقی تک پہنچا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اللہ نے یہ سب کرنے کا حکم دیا ہے یا کم از کم اس کی اجازت دی ہے؟ اگر دیا ہے تو کس مذہبی کتاب، یا کس پیغمبر یا بزرگ کی تعلیم میں یہ حکم ہمیں ملتا ہے؟ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ نے یہ بات کسی مذہبی کتاب یا کسی پیغمبر کے ذریعے بتائی ہے کہ انسان راست، خالق حقیقی کی عبادت اور بندگی نہیں کر سکتا اور اس سے دعا نہیں مانگ سکتا۔ قرآن کی رو سے یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں۔ ہر انسان اللہ پر ایمان لا کر اس کی بندگی اور عبادت کر سکتا ہے۔ اس سے راست دعا مانگ سکتا ہے، بلکہ صرف اسی سے مانگنا صحیح ہے۔

جو لوگ پیغمبروں کی صاف اور واضح تعلیم کو دلائل کی موجودگی کے باوجود نہیں مانتا چاہتے ان کا رو یہ معمول نہیں ہے بلکہ ضد اور ہٹ دھرمی کا پتہ دیتا ہے۔ ایسے لوگ موت کے بعد کی زندگی میں اپنی آنکھوں سے ان غیری حقیقتوں کو دیکھیں گے تو دنگ رہ جائیں گے اور انکار کرنے کی مجال نہیں ہوگی، لیکن اس وقت پیغمبروں کی تعلیم کے ماننے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ موت کے بعد کی زندگی کا دن اعمال کے فیصلے اور بدالے کا دن ہوگا۔ انسان اپنی پیدائش اور اپنی ذات پر غور و فکر کرے اور کائنات کی حقیقت پر غور کرے تو اسے بے شمار نشانیاں ملیں گی، جنہیں دیکھ کر وہ بے ساختہ پکاراٹھے گا کہ یقیناً ایک اللہ سب کا خالق اور مالک ہے۔ ان نشانیوں کی تفصیل کے لیے قرآن کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ مختلف زبانوں میں قرآن کے ترجم شائع ہو چکے ہیں اور بآسانی فراہم بھی ہو سکتے ہیں۔

پروفیسر خورشید احمد اپنی کتاب اسلامی نظریہ حیات میں تحریر فرماتے ہیں:

”حقیقت تو یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو دیکھنے والی آنکھ اور سوچنے والا دماغ رکھتا ہو۔

اس کائنات کے حقائق کو دیکھ کر بے اختیار پکاراٹھتا ہے کہ ایک کارخانہ رنگ و بو

ایک حکیم و دانا خالق اور فرماں روا کے بغیر نہ وجود میں آسکتا تھا اور نہ قائم رہ سکتا

ہے۔ زمین سے لے کر آسمانوں تک ساری کائنات ایک مکمل نظام ہے اور یہ

پورا نظام ایک زبردست قانون کے تحت چل رہا ہے، جس میں ہر طرف ایک ہمہ گیر اقتدار، ایک بے عیب حکمت اور ایک بے خطا علم کے آثار نظر آتے ہیں۔ یہ آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس نظام کا ایک فرمان روایتی ہے۔ لظہ کا تصور ایک ناظم کے بغیر، قانون کا تصور ایک حکم راں کے بغیر، حکمت کا تصور حکیم کے بغیر اور علم کا تصور ایک عالم کے بغیر اور سب سے بڑھ کر خلق کا تصور ایک خالق کے بغیر آخ رس طرح آسکتا ہے ایک کائنات ایک منصوبے کے تحت کام کر رہی ہے۔ کیا یہ منصوبہ منصوبہ کار کے بغیر ہی جاری و ساری ہو گیا ہے؟ اس کائنات میں کمال درجہ حسن و توازن ہے۔ یہ حسن و توازن ایک منظم کے بغیر کیسے ممکن ہے۔ مزید برآں ہم خدا کے وجود کو تسلیم نہ کریں اور کائنات کا مبدأ مادے کو قرار دیں تو انسانی اور حیوانی وجود کی تشریح بڑی مشکل نظر آتی ہے۔ سرسری طور پر بڑی آسانی سے کہا جاسکتا ہے کہ مختلف اجزاء ایک تناسب سے ملے اور حیوان یا انسان وجود میں آگئے، لیکن جدید سائنسی ترقیوں کے با پر ایسے اتفاقات کو مانا بڑا مشکل ہو گیا ہے (یا ممکن نہیں رہا ہے)۔ (اسلامی نظریہ حیات، ص: ۱۹۱-۱۹۳)

ایک انہائی حسین و جمیل، منظم اور متحکم کائنات یہاں موجود ہے۔ اس میں زمین سے ایک کروڑ گناہ بڑے سیارے تک پائے جاتے ہیں، ایسی کہکشاں میں ہیں، جن میں کروڑوں اور اربوں اجرام گھوم رہے ہیں، کائنات کی وسعت کا سائز داں آج تک کامل اندازہ نہیں لگا سکے۔ کچھ عرصہ پہلے مشہور انگریزی رسالہ ریڈر سڈا جسٹ نے بڑے سائز میں کائنات میں ستاروں، سیاروں اور کہکشاووں کی تصور شائع کی تھی۔ اس میں ایک طرف ایک باریک سانچہ لگا کر اس کی طرف تیر کاششان بنا کر اس کے نیچے لکھا تھا۔

Our Solar System lies somewhere between here.

اس جملے کو پڑھ کر کائنات کی ناقابل پیمائش وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کی عظیم کائنات کی تخلیق کیا کوئی اتفاقی حادثہ ہو سکتا ہے؟ ایک اچھا سا شعر ہمارے سامنے کوئی کہہ دے تو ہم پوچھتے ہیں کہ یہ کس شاعر کا کلام ہے؟ ایک اچھی سی تصویر (PAINTING) ہم دیکھتے ہیں تو سوال ہوتا ہے کہ کس آرٹسٹ نے اس کو بنایا ہے؟ ایک خوب صورت سی عمارت (BUILDING) کو دیکھ کر ہم اس کے انجینئر اور آرکیٹیکٹ (منصوبہ ساز) کی طرف جاتا ہے۔ پوری کائنات، جس

میں ہماری وسیع و عریض دنیا بھی شامل ہے، اس کو دیکھ کر اس کے خالق اور مالک کا تصور نہیں آئے گا؟ کیا کوئی صحیح عقل و فہم رکھنے والا اس طرح کی بات تسلیم کر سکتا ہے؟ یہ کس قدر غیر معقول اور غیر منطقی بات ہے، اگر کوئی کہے کہ یہ کائنات اللہ کے بغیر بنی ہے اور آپ سے آپ یا اتفاقاً جل بھی رہی ہے۔

پروفیسر جوڈ نے کہا ہے:

”سرچیس جینس اور سر آر ٹاؤنڈ مکسن کی کتب ہمیں بتاتی ہیں کہ بیسویں صدی کی نیزکیس نے طبعی دنیا کے بارے میں انیسویں صدی کے تصورات میں انقلاب برپا کر دیا ہے اور یہ انقلاب مذہب سے مصالحت اور تم آہنگی کی سمت میں ہے۔ آج سائنس اور مذہب کائنات کی حقیقت کے بارے میں ایک ہی طرح کی بات کہہ رہے ہیں۔ گواپنے نتائج تک پہنچنے کے لیے دونوں کے طریق ہائے تحقیق و مطالعہ جداجدا ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج سائنس نے خدا کے تصور کا اثبات کر لیا ہے۔“

(God and Evil by Jode Page 140) بحوالہ: اسلامی نظریہ حیات، جس: ۱۹۶۱)

اللہ کا انکار کرنے والوں کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ کائنات اور انسانی زندگی کی پیدائش میں کسی خالق کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ کیوں کہ مادہ Matter ہی اصل ہے اور یہ ابدی اور ازلی ہے۔ اسی سے تمام موجود چیزوں کا، خواہ وہ جان دار ہوں یا بے جان، وجود عمل میں آیا ہے۔ مادہ کی بنیاد ذرات پر ہے جو بنیادی ہیں۔ ان ہی ذرات کے اتفاقاً ملنے سے ہر چیز کا وجود ہوا ہے۔ یہاں تک کہ ان بے جان ذرات کے اتفاقی اجتماع کے نتیجے میں انسان کی بھی تخلیق ہوئی ہے۔ اس نظریہ کے مانے والوں کو مخدیں یا مادہ پرست کہا جاتا ہے۔ دور جدید کی سائنسی دریافتوں کی روشنی میں اس نظریہ کی حقیقت اور معقولیت پر غور کیا جاسکتا ہے۔

یہ نظریہ ایک بڑا دعویٰ ہے، جو بلاد لیل، غیر سائنسی تحقیقات نے اس دعوے کی دھیان بکھیر دی ہے۔ اس کی حیثیت ایک مفروضہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ جدید سائنسی تحقیقات نے اس دعوے کی دھیان بکھیر دی ہے۔ آج کی سائنس کا غالب رجحان یہ ہے کہ مادہ ازلی اور ابدی نہیں ہے۔ اس لیے کہ کائنات کی باقاعدہ ابتداء ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں انہصار عظیم (BIG BANG) کی تھیوری کو پیش کیا گیا ہے۔ جدید سائنس کے مطابق کائنات بدتر ترک اپنی موت اور فنا کی طرف بڑھ رہی ہے۔

دوسرامفروضہ یہ کہ دو صدی قبل سمجھا جاتا تھا کہ ذرات ختم نہیں ہوتے۔ سائنسی تحقیق کے نتیجے میں یہ خیال غلط ثابت ہو چکا ہے۔ اب ذرات کے تعامل کے نتیجے میں تبدیلی کا عمل ہوتا ہے۔ تو انکیاں خارج ہوتی ہیں، بلکہ ذرات فنا کے گھاٹ بھی اتر جاتے ہیں۔

تیسرا مفروضہ یہ ہے کہ بے جان مادہ سے زندگی، عقل و شعور وجود میں آتے ہیں۔ لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ بے جان مادوں کی ترکیب بظاہر قائم رہتی ہے لیکن موت واقع ہو جاتی ہے۔ ملحدین اس کی کوئی توجیہ نہیں کر سکتے۔

چوتھا مفروضہ یہ ہے کہ اتفاقی طور پر ذرات کے ملنے سے ہی کائنات اور ہر وجود کی تخلیق عمل میں آئی ہے۔ لیکن حساب کی رو سے بخت و اتفاق کا امکان اتنا کم ہے کہ اتفاقی یا حادثاتی تخلیق کا نظریہ انتہائی غیر عقلی معلوم ہوتا ہے۔

اس مختصر جائزے کے بعد یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اللہ کا وجود یقینی ہے اور اسے ماننا ہماری زندگی کے لیے ناگزیر ہے۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ اس کے بارے میں صحیح جانکاری کے حصول اور اس کی معرفت سے انسان کی محدود عقل، فلسفہ اور سائنس عاجز ہے۔ اس بنیادی علم کے لیے اللہ نے پیغمبروں کا سلسلہ جاری کیا۔ آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے وحی کے ذریعہ قرآن نازل کیا گیا۔ قرآن میں اللہ کا تعارف کرایا گیا ہے۔ اس کی ذات و صفات بیان کی گئی ہیں اور بتایا گیا ہے کہ اللہ کو مان لینے کے تقاضے کیا ہیں؟ اور انسانی زندگی پر اس تصور کے اثرات کیا پڑتے ہیں؟ قرآن میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ کون سے عقايد اور اعمال اللہ کو ماننے کے منافی ہیں۔ ان عقايد و اعمال کے خراب نتائج دنیا اور آخرت میں کس طرح سامنے آئیں گے؟ ان نتائج سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟ اللہ کی عبادت کس طرح کی جائے؟ ان تمام حقائق کو قبول کرنے کے لیے کسی خاص نسل، رنگ، زبان اور علاقے سے تعلق کی کوئی شرط نہیں ہے۔ دنیا کا ہر ایک انسان ان پر غور و فکر کر کے عقل و فطرت اور دلیل کی بنیاد پر انہیں قبول اور اختیار کر سکتا ہے۔ قرآن کسی بھی حقیقت کو آنکھیں بند کر کے ماننے کی دعوت نہیں دیتا۔ ان تصورات کو قبول یا رد کرنے کی آزادی اور اختیار انسان کو حاصل ہے قرآن بتاتا ہے کہ اس اختیار کے استعمال کی پوری ذمہ داری انسان پر ہی ہو گی۔ قبول کرنے کی صورت میں کام یابی ملے گی اور رد کرنے کی صورت میں زبردست ناکامی کا سامنا اسے خود کرنا پڑے گا۔

اسلام کا تصور الہ

حضرت محمد ﷺ نے جب عرب کے باشندوں میں ایک اللہ کی بندگی کا پیغام پہنچایا تو لوگوں میں فطری طور پر تحسیں پیدا ہوا کہ یہ اللہ کیسا ہے؟ کس چیز سے بنتا ہے؟ اس کی صفات کیا ہیں؟ وہ ان کے معبودوں سے کیوں اور کس طرح مختلف ہے؟

حضرت محمد ﷺ نے اللہ کا مکمل تعارف کرایا، اس کی صفات کا جامع اور مفصل تذکرہ ہی نہیں کیا، بلکہ ان کے تقاضوں کو بھی بیان کیا۔ اس بات کو بھی واضح کیا کہ اللہ کو ماننے کے اثرات زندگی پر کیا پڑنے چاہیں۔

غور کرنا چاہیے کہ اللہ کے متعلق جاننے کا ہمارے پاس کیا ذریعہ ہے؟ عقل، تجربہ، سائنس اور مشاہدہ کے ذریعہ انسان نے اللہ کو جاننے اور معلوم کرنے کی جو بھی کوششیں کیں ان میں وہ بھٹک گیا۔ یہ بھی ایک اہم سوال ہے کہ اللہ کے متعلق انسان کو کیا جانا چاہیے اور کس چیز کی کرید میں نہیں پڑنا چاہیے؟ خالق کی معرفت کے سلسلے میں انسان کی اصل اور حقیقی ضرورت کیا ہے؟ کچھ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ کو اسی زندگی میں دکھائیں گے۔ یہ نہایت ہی گم راہ کن بات ہے، اس مشاہدے کی ہمیں قطعی ضرورت نہیں ہے اور نہ یہ مشاہدہ، اس زندگی میں ممکن ہے۔

اللہ کے متعلق جاننے کی جو اصل ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اس کی صفات اور اس کے اختیارات کیا ہیں۔ وہ انسان سے کیا چاہتا ہے؟ وہ کن کاموں سے راضی ہوتا ہے اور کن سے ناراض؟ اس دنیا میں انسان، اللہ کی مرضی کو کیسے پورا کر سکتا ہے؟ اور آخرت میں اس کی باز پرس اور گرفت سے کیسے نجی سکتا ہے۔ اللہ کی عبادت کرنے اور پوری زندگی اس کے پسندیدہ کاموں میں

بُر کرنے کے لیے اس کی رہنمائی کیا ہے؟

ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیا اللہ انسان سے صرف اپنی پوجا (پرستش) ہی چاہتا ہے؟ اس کے علاوہ اس نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے کوئی ہدایت اور رہنمائی نہیں دی ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا، اللہ کی ذات و صفات اور اس کے تقاضوں کو جانے اور اس کی عبادت کے طریقوں کو معلوم کرنے کا کوئی عقلی ذریعہ ہمارے پاس نہیں۔ لیکن اللہ انسان پر بہت مہربان ہے۔ اس نے انسانوں کو اس آزمائش میں نہیں ڈالا، بلکہ اپنے متعلق ہمارے لیے جو ضروری تھا، ہمیں بتا دیا۔ اس خالق کے متعلق جو جانکاری ہمارے لیے ضروری نہیں اس کی کرید میں ہمیں نہیں پڑنا چاہیے۔ انسانی تاریخ میں پیغمبروں اور نبیوں کا پاکیزہ اور مقدس گروہ ہی ہے جس نے اللہ کی ذات و صفات اور اختیارات تفصیل سے ہمیں بتائیں۔ ان مقدس ہستیوں نے انسانوں کو بتایا کہ ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ علم آیا ہے جو عام انسانوں کو حاصل نہیں ہے۔ اللہ کی عظیم ہستی کے بارے میں جو حقائق وہ بتاتے ہیں وہ سب اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔

قرآن کے نزول کے دوران آج سے چودہ سو پچاس سال قبل دنیا میں اللہ کے بارے

میں درج ذیل تصورات پائے جاتے تھے:

ایک تصور یہ تھا کہ وہ خالق ہے۔ لیکن تخلیق کے بعد کائنات سے الگ ہو کر بیٹھ گیا ہے۔ اسے بندوں کی بھلائی اور برائی سے کوئی دچکپی نہیں ہے۔ وہ (نوع ذہنی) ایک کھیل کے طور پر کاروبار دنیا کو دیکھ کر محض لطف انداز ہو رہا ہے۔

دوسری طرف کہیں اللہ کو ایک تسلیم کیا گیا مگر اس کے سا جھی اور شریک بنالیے گئے۔ اس کے ساتھ اس کے ماتحت کئی خداوں کو مان لیا گیا۔ ماتحت خداوں کے الگ الگ کام طے کر لیے۔

مثلاً بارش، ہوا کا نظم، زمین اور آسمان کی نگرانی وغیرہ۔

ایک خیال یہ پیش کیا گیا کہ اللہ اپنی اولاد رکھتا ہے۔ مثلاً فرشتوں کو اس کی بیٹیاں تسلیم کیا گیا۔ کم سے کم یہ ہوا کہ اس کا ایک بیٹا مان لیا گیا۔ اسے بھی خدا مانا گیا۔ غرض یہ کہ خدا ایک نہیں رہا، بلکہ خداوں کے خاندان فرض کیے گئے۔

ایک تصور یہ تھا کہ خدا کو انسان کی طرح سمجھا گیا۔ انسانوں جیسی اس کی تصویریں،

مورتیاں، مجسمے اور بت بنائے گئے۔ حالاں کہ اللہ کو کسی نے کبھی دیکھا ہی نہیں اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا کوئی جسم انسانوں کی طرح ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ ظلم، فساد اور بگاڑ کو دور کرنے کے لیے اللہ خود انسانی جسم یا کسی جانور کی شکل میں آتا ہے اور اصلاح عالم کا کام کر کے چلا جاتا ہے۔ خدا کے بارے میں یہ خیال پیش کیا گیا کہ وہ اپنے ہی ایک بندے سے رات بھر کشتی لڑتا ہے اور صبح کے وقت ہار جاتا ہے اور اپنے بندے سے کہتا ہے کہ اب مجھے جانے دو۔

ایک تصور یہ تھا کہ خالق اور بندوں کے درمیان راست رابطہ اور تعلق نہیں ہو سکتا۔ درمیان میں کچھ ہستیاں ہیں، جن کی وہ سنتا ہے، ان کی سفارشیں قبول کرتا ہے اور ان کی خوشی اور پسند کو عزیز رکھتا ہے۔

یہ اور اس طرح کے مزید تصورات موجود تھے۔ یہ سب ناقص، غیر عقلی اور غیر فطری ہیں۔ یہ محس باطل تصورات نہیں ہیں، بلکہ عملی زندگی پر ان کے مہلک اثرات پڑتے ہیں۔ ان تصورات کے نتیجے میں انسانوں کے اندر ناقص و غیر متوازن سیرتیں اور خصوصیات پیدا ہوتی ہیں۔

آج ساری دنیا میں اسلام واحد ہے، جس میں ایک اللہ کا واضح اور قلب و ذہن کو مطمئن کرنے والا عقیدہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کی جامع صفات بتائی گئی ہیں اور عملی زندگی میں ان کے تقاضوں سے آگاہ کیا گیا ہے۔ دلائل کی روشنی میں شرک کی بھروسہ ترددی کی گئی ہے۔ کیونکہ شرک توحید کی ضد ہے۔ اور توحید کو ٹھیک طور پر سمجھنے کے لیے شرک کو جان لینا ضروری ہے۔ (آئندہ صفحات میں ان امور پر روشنی ڈالی جائے گی)۔ اسلامی تصورِ الہ کے بارے میں مولانا سید جلال الدین عمری تحریر فرماتے ہیں:

قرآن انسان کو صحیح معرفت عطا کرتا ہے۔ خدا کیا ہے؟ اس کی صفات کیا ہیں؟ اس

کی ہدایت کیا ہے؟ اس کے قوانین کیا ہیں؟ وہ اپنے بندوں سے کیا چاہتا ہے؟

قرآن میں (اللہ کی) بندگی کے اصول میں گے۔ اخلاق کی تعلیم ملے گی۔ تہذیب

و معاشرت اور سیاست کے احکام میں گے۔ اسی طرح آپ قرآن میں جنت اور

دوزخ کا ذکر پائیں گے۔ قوموں کے عروج و زوال کے احوال دیکھیں گے۔ لیکن

ان سب کا مقصد صرف یہ ہے کہ انسان کو خدا کا صحیح شعور ملے اور وہ اس کی مرضی اور

نامرضی سے واقف ہو جائے۔ (خدا اور رسول کا تصور۔ اسلامی تعلیمات میں، ص: ۱۵)

اسی کتاب میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:

قرآن کھولتے ہی پہلی سورت، جس کا آپ مطالعہ کریں گے، وہ خدا کا تعارف اس طرح کرتی ہے کہ وہی معبد ہے۔ وہی سب کا بلا اور ماوی ہے۔ تمام حمد و شنا اسی کے لیے ہے۔ وہ رب ہے اور سارے عالم کی پروش کر رہا ہے۔ وہ حُن و رحیم ہے اور کائنات اسی کی رحمت کے سہارے زندہ ہے۔ وہ آخرت کے دن کاما لک ہے۔ انسانوں کا آخری حساب و کتاب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے بعد انسان کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ خدا کی طرف لپکے اور اپنے آپ کو اس کے سامنے ڈال دے۔ اسی کی طرف بڑھے، اسی سے مدد چاہے، کیوں کہ یہی صراطِ مستقیم ہے۔ جو شخص اس راہ سے بھٹک جائے اس کو خدا کے غضب سے کوئی چیز چاہنیں سکتی۔ دنیا اور آخرت میں اس کا ناکام ہونا یقینی ہے۔ اس طرح قرآن کی اس (سورہ) دیباچے میں خدا کا تعارف بھی ہے اور اس کی طرف دعوت بھی۔” (ایضا، ص: ۱۶۰)

اسلام کے تصورِ الہ کے متعلق ایک جامع تحریر مولا ناصدِ حامد علی کی کتاب تو حیدر اور شرک میں موجود ہے۔ ص: 495 تا 542 کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

اللہ ہی خالق ہے

اسلام کے تصورِ الہ کے مطابق اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ جن دوسروں کو لوگوں نے خالق مان رکھا ہے۔ وہ سب مخلوق ہیں اور مخلوق خالق کیسے ہو سکتی ہے۔

اللہ ہی مالک ہے

کائنات اور اس کی تمام اشیا کاما لک وہی اکیلا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔

لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (البقرة: ۲۸۳)

”اللہ ہی کی ملک ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور جوز میں ہے۔“

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الفاتحہ: ۱)

”شکر اور تعریفِ اللہ کے لیے ہے جو کائنات کا رب ہے۔“

ربِ دراصلِ مالک، پروردگار اور فرمانرو کو کہتے ہیں۔ ایک جگہ قرآن میں فرمایا گیا۔

قُلْ ادْعُو الَّذِينَ زَعَمْتُ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلُكُونَ مِثْقَالَ
ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ (سباء: ۲۲)
”(اے نبی) کہو جن کو تم اللہ کے سوا خدا گمان کرتے ہو۔ انھیں پکار کر دیکھو وہ آسمان
اور زمین میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔“

اللہ ہی فرمائ روا ہے

اللہ کا نبات کا خالق و مالک ہے تو پھر اللہ ہی کو فرمائ روا ہی کا حق پہنچتا ہے۔ اس کے سوا
کوئی دوسرا پنی خلق اور ملک کا فرمائ روانہ نہیں ہو سکتا۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

إِنْ تُبَدُّو اشْيَاءً أَوْ تُخْفُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا

(الاحزاب: ۵۳)

”سنو! خلق اسی کی ہے اور اسی کے لیے ہے حکمرانی۔ بہت خوبیوں اور عظمت و قدرت
والا ہے۔ اللہ کا نبات کا رب۔“
دوسرا جگہ قرآن میں ارشاد ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ
الذُّلِّ وَكَبْرُهُ تَكْبِيرًا (نبی اسرائیل: ۱۱۱)

”اس کے اقتدار میں کوئی شریک نہیں۔ نہ وہ کمزور ہے کہ کوئی اس کا دست گیر ہو۔“

اللہ ہی پروردگار ہے

قرآن کی درج ذیل آیات پر غور فرمائیں:

أَلَمْ تَرَأَنَ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي
الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا الْوَانَةَ (الزر: ۲۱)

”کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتنا رواتے چشمیں اور سوتوں کی
شکل میں زمین میں روایا کر دیا۔ پھر وہ اس سے رنگ بر گئی کھیق پیدا کرتا ہے۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

**قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمْنَ يَمْلِكُ السَّمْعَ
وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ
مِنَ الْحَيَّ وَمَنْ يُدْبِرُ الْأُمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ جَ (یونس: ۳۱)**

”ان سے پوچھو، کون آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یہ ساعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ کون بے جان میں سے جان دار کو اور جان دار میں سے بے جان کو زکالتا ہے؟ کون اس نظم عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔“

غرض یہ کہ صحت و تندرستی، اولاد، نفع و نقصان، علم، دولت اور ساری نعمتیں اسی کی عطا کردہ ہیں۔ اس کی نعمتوں کو کوئی گن نہیں سکتا۔

اللَّهُ هِيَ حاجت روَا ہے۔

اللہ خالق، مالک، پروردگار، فرمان روا اور حاکم ہے۔ سب کچھ اسی کے پاس ہے۔ اس لیے حاجت پوری کرنے والا اور مشکلات کو دور کرنے والا بھی وہی ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادًا ذَمِيلَكُمْ (الاعراف: ۱۹۳)

”اللہ کے سوا جنہیں تم پکارتے اور پوجتے ہو، وہ سب کے سب تم ہی جیسے اللہ کے بندے اور محتاج ہیں۔“

جس کسی کو جو کچھ ملتا ہے۔ اسی کے دینے سے ملتا ہے۔ وہی حاجت رو اور مشکل کشا ہے۔

اللَّهُ هِيَ قَانُونِ دِينِ وَالا ہے۔

انسان کو حکم دینے اور اس کے لیے قانون بنانے کا حق صرف اللہ کا ہے۔ یعنی اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔

إِنَّ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَّا الْأَتَّابُعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ (یوسف: ۲۰)

”حکم صرف اللہ کے لیے ہے۔ کسی اور کے لیے نہیں۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کی بندگی کرو۔ کسی اور کی نہ کرو۔“

بندگی کے مفہوم میں پرستش اور غلامی دونوں شامل ہیں۔ بندہ و غلام کا کام یہ ہے کہ مالک کی مرضی پر چلے اس کا حکم مانے اور اس کے حکم کے خلاف کسی کا حکم نہ مانے۔

زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے
قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

کَيْفَ تَكُفُّرُونَ بِاللَّهِ وَ كُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمْتِكُمْ ثُمَّ
يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝
(البقرہ: ۲۸)

”تم اللہ کی اطاعت سے کیسے انکار کرتے ہو۔ حالانکہ تمہارا وجود نہیں تھا۔ اس نے تمھیں زندگی بخشی۔ پھر وہ تمہیں موت دے گا۔ پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ پھر تم اسی کے پاس پلانے جاؤ گے۔“

نفع اور نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے
قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهِ الْهَمَةَ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا
يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً
وَلَا نُشُورًا ۝
(افرقان: ۳)

”اور انہوں نے اللہ کے سواد و سرے خدا بنا رکھے ہیں۔ جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے۔ اور خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں اپنا نفع و نقصان بھی نہیں ہے۔ نہ موت، نہ زندگی، نہ دوبارہ اٹھایا جانا ان کے بس میں ہے۔“

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب مانکو تو اللہ سے مانگو اور مدد چاہو تو اللہ سے چاہو اور یقین رکھو، اگر سب لوگ مل کر تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں تو ہرگز نہ پہنچا سکیں گے۔ مگر جتنا کہ اللہ نے تمہارے حق میں لکھ دیا ہے۔ اور اگر سارے لوگ اکٹھا ہو کر تمھیں کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو ہرگز نہ پہنچا سکیں گے، مگر جتنا کہ اللہ نے تمہارے حصے میں لکھ دیا ہے۔ (ترمذی)

اللہ ہی ہر چیز کا علم رکھتا ہے
قرآن میں ارشاد ہے:

وَاسِرُوا قَوْلَكُمْ أَوْ اجْهَرُوا بِهِ طِبَّ إِنَّهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ^۵
 أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ طَوْهُ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ^۶ (الملک: ۱۳، ۱۴)
 ”اور تم بات آہستہ کرو یا ذور سے (وہ سب نہ تھے) یقیناً وہ دل کے ارادوں سے باخبر ہے۔
 کیا نہ جانے گا وہ جس نے پیدا کیا۔ اور وہ باریک میں ہے۔ اور ہر چیز سے باخبر ہے۔“
 قرآن میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ طَوْهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ
 وَالْبَحْرِ طَوْهَ مَاتَسْقُطُ مِنْ وَرْقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلْمَتِ
 الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتْبٍ مُبِينٍ^۵ (النعام: ۵۹)
 ”اور اسی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں اُنھیں کوئی نہیں جانتا مگر صرف وہ۔ خشکی اور تری
 کی ہر چیز کو وہ جانتا ہے۔ جو پہنچی گرتا ہے اسے جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں
 وجود انگرتا ہے اور جو تریا خشک چیز گرتی ہے وہ سب اللہ کے واضح رکارڈ میں ہے۔“

اللہ کا کوئی ہم سرنہیں

کائنات کی تمام چیزیں اللہ کی تخلیق ہیں۔ اس لیے کائنات کی کوئی چیز اللہ کے برابر
 نہیں ہو سکتی۔ قرآن میں ارشاد ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ عُجَّ
 ”اس کی طرح کوئی شی نہیں۔“
 دوسری آیت:

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُواً أَحَدٌ^۶
 ”اور کوئی اس کے برابر کا نہیں۔“

اللہ کے حضور کوئی سفارشی نہیں

سفارش عام طور پر اس لیے کی جاتی ہے کہ مجرم کو جرم کی پاداش سے بچالیا جائے۔ یا کسی
 شخص کو وہ چیز دلوادی جائے جس کا وہ مستحق نہیں ہے۔

یہ کھلی ہوئی بد دینتی ہے۔ کسی باضیمیر شخص سے یہ تو قنیں رکھنی چاہیے کہ وہ اس طرح کی سفارش کرے گا۔ لیکن کچھ لوگ اپنے خود ساختہ خداوں کے بارے میں یہ تصور رکھتے ہیں کہ خدا کے حضور ان کی بے جا سفارش کر دیں گے یا خدا کی گرفت سے انھیں بچالیں گے حالاں کہ خدا کے یہاں اس طرح کی سفارش کا گزرنیں ہے۔ وہ نہ کسی کا دباؤ قبول کرتا ہے اور نہ غلط فیصلے کرتا ہے اور نہ اسے دھوکا دیا جاسکتا ہے۔ وہ اپنے علم کامل کی روشنی میں صحیح فیصلے فرماتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔

مَالِ الظَّلَمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٌ يُطَاعُ ۝ يَعْلَمُ خَائِنَةُ الْأَعْيُنِ

وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۝ وَاللَّهُ يَعْلَمُ بِالْحَقِّ ۝ (المؤمن: ۲۰ تا ۱۸)

”اللہ کے حضور ظالموں (باغیوں) کا نہ کوئی دوست ہو گا نہ سفارشی کہ جس کی بات مان

لی جائے۔ وہ آنکھوں کی مجرمانہ حرکتوں اور دلوں کے پوشیدہ ارادوں کو بھی جانتا ہے۔

اور وہ صحیح فیصلہ ہی فرماتا ہے۔“

شرک سب سے بڑا گناہ

اللہ کو صرف ایک ماننا کافی نہیں۔ اللہ خالق، مالک، رب حاکم، رازق اور معبد و حقیقی ہے، اس کے سوا تمام دوسرے خدا جو انسانوں نے خود بنالیے ہیں، ان کا انکار بھی ضروری ہے۔ اللہ کو ایک ماننا، لیکن دوسروں کو اس کی ذات و صفات اور اختیارات میں شریک کر لینا سب سے بڑا گناہ ہے۔ اسی کو شرک کہتے ہیں۔ تو حید یہ ہے کہ اللہ کو ایک مان کر اس کی مکمل بندگی اختیار کی جائے۔ دوسری طرف غیر اللہ کا انکار کرنا اور ان کی بندگی اور اطاعت سے مکمل طور پر پنج کر رہنا تو حید میں شامل ہے۔

شرک کیا ہے؟

اللہ اپنی ذات یا ہستی، صفات، حقوق اور اختیارات میں بھی اکیلا ہے۔ یعنی وہ ان سب پہلوؤں سے لا شریک ہے۔ اس کو ایک ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سوا کسی بھی دوسرے خدا یا خدائی صفات کی حامل کسی ہستی کا انکار کیا جائے۔ حقیقتاً اس کے سوا جن کو خدایا خدائی صفات کا حامل قرار دیا جاتا ہے، دراصل ان میں خدائی کی کوئی صفت ہے ہی نہیں۔ شرک ظلم عظیم ہی نہیں، ایک بہت بڑا جھوٹ ہے۔ اس جھوٹ پر زندگی کی بنا پر رکھنے کا مطلب حق کے راستے سے بھٹک جانا ہے۔

اللہ کی ذات، صفات، حقوق اور اختیارات میں کسی بھی دوسری زندہ یا مردہ ہستی کو یا کسی چیز کو سا جھی بنانا اور شریک کرنا شرک ہے۔ قرآن نے شرک کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے اور اسے سب سے بڑا ظلم کہا ہے۔ شرک کی معافی نہیں ہوگی۔ اللہ اپنی ذات، صفات اور اختیارات میں منفرد، یکتا اور تنہا ہے۔

قرآن میں ہے:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُواً أَحَدٌ
(الإخلاص: ۱-۲)

”کہو، وہ اللہ ہے، کیتا۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔ اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔“

اللہ کو ایک مان کر کتنے ہی لوگوں نے کسی کو اس کا بیٹا، کسی کو اس کی بیٹیاں اور کسی کو اس کی ماں قرار دیا، جب کہ حقیقتاً اس کی کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ وہ ازل سے ہے اور ابد تک وہی اکیلا باقی رہنے والا ہے۔ اس کا کوئی خاندان اور برادری نہیں۔ وہ ہر طرح کی کم زوری سے پاک ہے۔ اسے کسی کی مدد اور سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔ انسان سمیت تمام مخلوقات اسی کے محتاج اور اسی کے سہارے کے ضرورت مند ہیں۔ قرآن کی درج ذیل آیات کے ترجمے پر غور کیجئے:

وَلِلَّهِ الْمَثُلُ الْأَعْلَىٰ طَ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ
(آلہ: ۲۰)

”اللہ کے ہی کے لیے سب سے برتر صفات ہیں اور وہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔“

إِنَّ اللَّهَ لَا يَعْفُرُ أَنْ يُشْرِكَ بِهِ وَيَعْفُرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ
وَمَنْ يُشْرِكُ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَى إِنَّمَا عَظِيمًا
(النَّاس: ۲۸)

”اللہ اس جرم کو ہرگز معاف نہیں کرتا کہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے سوا، جس قدر گناہ ہیں، وہ جس کے لیے چاہتا ہے، معاف کر دیتا ہے۔ اور جس نے اللہ کا شریک مقرر کیا اس نے بہت ہی بڑا جھوٹ گھٹرا اور سخت گناہ کی بات کی۔“

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ طَ وَهُوَ الْحَكِيمُ
الْعَلِيمُ
(النَّخْرَف: ۸۳)

”وہی ایک خدا آسمان میں بھی معبد ہے، وہی ایک زمین میں بھی معبد ہے۔ اور وہ حکمت والا اور علم والا ہے۔“

لَوْ كَانَ فِيهِمَا إِلَهٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا حَفْسُبْحَنَ اللَّهِ رَبِّ
الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝
(الأنبياء: ۲۲)

”اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور معبد ہوتے تو دونوں (زمین اور آسمان) کا
نظام مگر جاتا۔ پس پاک ہے اللہ رب العرش ان باتوں سے جو یہ لوگ بنار ہے ہیں،“
آفَمْنِ يَخْلُقُ كَمْنِ لَا يَخْلُقُ طَ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝
(الخل: ۱۷)
”کیا وہ جو ہر چیز کو پیدا کرتا ہے اور جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتا، دونوں برابر ہو سکتے
ہیں۔ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔“

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ طَ
أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَا طَ وَمَا يَشْعُرُونَ لَا يَأْيَانَ يُدْعَثُونَ ۝
(الخل: ۲۰، ۲۱)

”یہ جن لوگوں کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں، وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے، بلکہ وہ خود پیدا
کیے گئے ہیں۔ وہ مردہ ہیں، زندہ نہیں ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ دوبارہ کب
امتحانے جائیں گے۔“

أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهِ الْهَمَّةً طَ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۝
(الأنبياء: ۲۳)
”کیا انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبد بنار کئے ہیں۔ ان سے کہو: تم اپنی دلیل تو لاو۔“

یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے اپنی کائنات اور مخلوقات کا انتظام الگ الگ معاون خداوں کے
سپرد نہیں کیا ہے۔ اسے کسی معاون اور مددگار کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو لوگوں کے بنائے ہوئے
تصورات ہیں۔ جیسے دنیا میں وہ دیکھتے ہیں کہ کسی حکومت میں وزیر اعظم یا صدر کی مدد کے لیے
معاون وزریوں کی ایک ٹیم رہتی ہے تو اس پر وہ اللہ کو قیاس کرتے ہیں۔ اللہ ان تمام کم زور یوں
سے پاک ہے۔ کسی کی مدد کا محتاج ہونا تو عیب اور کم زوری ہے۔ اللہ ہر کم زوری اور ہر عیب سے
پاک ہے اور سب سے بے نیاز ہے۔

کائنات اور تمام مخلوقات کی پیدائش، اس کے انتظام، پروش، نگرانی اور حفاظت میں
کسی کی شرکت کا کوئی ثبوت اور دلیل نہیں ہے۔ مولا ناسید جلال الدین عمری فرماتے ہیں:

”خدا کے ایک ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کائنات میں اسی کا ارادہ پورا ہو رہا ہے۔ جس گوشے میں دیکھوا سی کا حکم چلتا ہے۔ زمین، آسمان، چاند، سورج، دن و رات ہر چیز پر اسی کی فرماں روائی ہے اور کسی میں اس کی نافرمانی کی طاقت نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی کا خیال ہے کہ کائنات کے بہت سے خدا ہیں تو آخر کائنات کے کس حصے میں ان کی فرماں روائی ہے؟ اور کون سی چیزان کے احکام کے تابع ہے؟ اور وہ حکومت اور فرماں روائی ہمیں نظر کیوں نہیں آتی۔“

(خدا اور رسول کا تصور، ص: 258)

شرک دراصل باپ دادا کے راستے پر آنکھیں بند کر کے چلنے کا نام ہے۔ قرآن میں بتایا

گیا ہے:

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هُؤُلَاءِ طَمَّا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا
يَعْبُدُ أَبَاوْهُمْ مِّنْ قَبْلُ ط

(صود: ۱۰۹)

”پس آپ (اس حق میں) اس وجہ سے ہرگز شک نہ کریں کہ یہ لوگ جھوٹے معبودوں کی پرستش کیے چلے جا رہے ہیں۔ یہ تو اسی طرح پرستش کر رہے ہیں، جس طرح ان سے پہلے ان کے باپ دادا کرتے رہے ہیں۔“

وَجَعَلُوا اللَّهَ إِنْدَادًا لِّيُضْلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ طْ قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ

مَصِيرُكُمْ إِلَى النَّارِ ۝

”اور ان لوگوں نے اللہ کے کچھ شریک قرار دے لیے، تاکہ وہ انکھیں اللہ کے راستے سے بچنکا دیں۔ ان سے کہیے، کرو پچھے مزے، آخر کار تھیں پلٹ کر جانا دوزخ میں ہی ہے۔“

یہ شرک کا کتنا عبرت ناک انجام ہے! مولا ناشرک کے متعلق مزید فرماتے ہیں:

”اگر یہاں بہت سے خدا ہوتے تو اس کا ثبوت ہمیں اولاد اور گمراہ کی شغل میں ملتا چاہیے تھا۔ ایک خدا کی مرضی دوسرا خدا کی مرضی سے ٹکراتی، ایک خدا جو کام کرنا چاہتا، دوسرا اس کی رکاوٹ پیدا کرتا۔ کیوں کہ ایسی کوئی صورت نہیں ہے کہ کائنات پر صاحب ارادہ اور با اختیار خداوں کی حکومت ہو اور ان کے درمیان اختلافات اور لقادم نہ پایا جائے۔ خدا وہ ہے جس کی مرضی اس

کائنات میں پوری ہوا اگر اس کی مرضی پوری نہیں ہوتی ہے تو یہ اس کے خدا ہونے کی نفی ہے۔ کائنات کے بہت سے خدا ہیں تو ان کے مختلف اور متضاد ارادے یک وقت یہاں پورے ہونے چاہیے تھے، جس کا نتیجہ لازماً بکار اور فساد کی شکل میں رونما ہوتا۔ لیکن صورت حال یہ نہیں ہے بلکہ کائنات میں ہر طرف انتظامی سکون اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ کائنات میں تصادم اور گمراہ کا نہ ہونا قرآن کے نزد یک صریح طور پر خدا کے ایک ہونے کی دلیل ہے۔“

قرآن میں بتایا گیا ہے:

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٖ إِذَا لَذَّهَبَ كُلُّ إِلَهٖ
بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ طُسْبَحْنَ اللَّهُ عَمَّا
يَصْفُونَ لَهُ
(المومنون: ۹۱)

”نہ تو خدا کی کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی دوسرا خدا یہاں موجود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کے ساتھ الگ الگ دنیا قائم کر لیتا اور وہ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے۔
اللسان کی باتوں سے پاک ہے۔“

ان فقرتوں میں (کہ خدا ان کے شرک سے بند اور پاک ہے) اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان شرک سے اسی وقت بچ سکتا ہے جب کہ وہ خدا کا انتہائی بند تصور رکھتا ہو۔ پس جو لوگ اس کائنات میں بے شمار خداوں کی خدائی تسلیم کرتے ہیں، ان کے ذہن میں دراصل خدائی کا انتہائی پست اور گھلیا تصور ہوتا ہے۔ (ایضاً: ص ۲۵۸-۲۶۰)

شرک کے متعلق چند سوالات

لوگوں میں شرک کا آغاز اس طرح ہوا کہ نیک لوگوں سے محبت اور عقیدت میں غلوکی بنا پر پہلے ان کے بت بنائے گئے، تاکہ ان کو یاد رکھا جائے، لیکن بعد کی نسلوں میں عملًا ان کی پوچھا اور پرستش ہونے لگی۔ پھر ان نیک ہستیوں کو باقاعدہ خدائی میں شرکیں کر دیا گیا۔ حالاں کہ انھوں نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ وہ خدائی میں شرکیں ہیں یا اللہ نے اپنی کچھ توں اور اختیارات کو ان کی طرف منتقل کیا ہے۔ خود ان ہستیوں نے اپنی زندگی میں ایک خدا کی کامل بندگی اور اطاعت کی تھی، لیکن لوگوں نے ان ہستیوں کو (انسان ہونے کے باوجود) خدائی کے مقام پر بٹھا دیا۔ جب کہ ان

بزرگوں نے ہمیشہ خود کو اللہ کے بندوں میں شمار کیا تھا۔ قبل غور بات یہ ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق اور بندے ہوتے ہوئے خدائی میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں؟ جو انسان اپنی پیدائش سے پہلے ماں کے پیٹ میں نو مہینے رہا ہو، بچہ بن کر پیدا ہوا ہو، نوجوانی، جوانی اور بڑھاپے کی منزلوں سے گزر کر یا جوانی ہی میں اس کی موت واقع ہوئی ہو، وہ اپنی زندگی میں صدمات سستار ہا ہو، بیماری، خوشی، غم اور حادثات سے اس کا سابقہ پڑا ہو، ظاہر ہے کہ ان تمام کیفیتوں میں وہ اپنا کوئی اختیار نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ خدا کی قدرت کے آگے بے بس اور بے اختیار تھا۔ ان سب کمزوریوں کے باوجود وہ خدایا خدائی میں شریک کیسے بن گیا۔ وہ خدا یا خدائی میں شریک ہوتا تو کم از کم اپنی موت کو ٹال سکتا تھا۔

(۱) کیا اللہ نے کہیں یہ بتایا ہے کہ اپنی مدد اور کائنات کا انتظام چلانے کے لیے اس نے معاون خدامقرر کیے ہیں۔ اسی طرح کیا اس نے یہ بتایا ہے کہ اس نے فلاں فلاں اختیارات اپنے مدگار خداوں کو سونپے ہیں۔ یہ بتائیں کس مذہبی کتاب میں درج ہیں اور ان کی دلیل کیا ہے؟

(۲) کچھ لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ عام انسان خدا کی راست عبادت نہیں کر سکتے، یا اس کا تصور ان کے لیے محال ہے۔ اسی لیے اس کی مورتی یا کسی اور تصویر وغیرہ کی صورت میں اس کی پوجا و پرستش کی جاتی ہے۔ اس دلیل پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ خدا کی جو بھی مورتی، بت، تصویر یا کوئی اور شکل تصور کر لی گئی ہے عموماً وہ انسانوں یا جانوروں کی طرح ہے۔ تو کیا خدا انسان یا جانور ہے؟ اس سلسلے میں بنیادی سوال یہ بھی ہے کہ کیا خدا نے ایسا کرنے کا حکم بھی دیا ہے؟ کہاں دیا ہے؟ اس کا ثبوت اور دلیل کیا ہے؟ کیا خدا اس بات کو گوارا کر سکتا ہے کہ اپنی پوجا و پرستش اور عبادت کا طریقہ تو انسانوں کو نہ بتائے، لیکن اتنی سخت آزمائش میں انھیں ڈال دے کہ انسان یہ سارے پھر مغض پوجا اور پرستش کافی نہیں، بلکہ انسان کا اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں خدا کے احکام پر عمل کرنا بھی ضروری ہے اور پوری زندگی کو اس کی مکمل مرضی کے تابع کر دینا لازم ہے۔ حقیقت میں یہ عبادت کی مکمل تعبیر ہے، جس کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔

ایک اہم رہنمائی قرآن نے یہ فراہم کی ہے کہ دنیا کا ہر انسان اللہ پر ایمان لا کر اس کی راست (در میان میں کسی واسطے کے بغیر) پرستش، عبادت کر سکتا ہے اور اس سے دعا نہیں مانگ۔

سکتا ہے۔ اللہ اس کی عبادت اور دعاوں کو جانتا ہے اور انھیں قبول بھی کرتا ہے۔

(۳) ایک خدا کے سوا جن کو بھی خدامان کریا خداوی میں شریک ٹھہرا کر ان کی پوجا و پرستش کی جا رہی ہے، ان شریکوں کی شکلیں مرد اور عورت دونوں طرح کی فرض کر لی گئی ہیں۔ کیا خدا انسان کی طرح مرد اور عورت، جیسے جسمانی اعضا رکھتا ہے۔ پھر تم ظریفی یہ ہے کہ ان معاون خداوں کی طرف تمام انسانی کم زور یا منسوب کی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں بہت سی شرم ناک داستانیں بیان کی جاتی ہیں۔ ان تمام کم زور یوں کے ساتھ یہ شریک یا انسانوں کے بنائے ہوئے خدا کیا ہمارے لیے آئندیں اور نمونہ ہو سکتے ہیں؟ ان کی بیرونی کیسے کی جاسکتی ہے۔

(۴) پوری دنیا میں مشرکین نے خدا اور شریکوں کے الگ الگ نام رکھے ہیں اور ان کی مختلف داستانیں بنالی ہیں۔ یہ تفصیلات ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں۔ مثال کے طور پر خالق کائنات کے بارے میں بھارت، چین، یونان، روم، افریقہ اور آسٹریلیا وغیرہ میں مشرکانہ تصورات بالکل الگ الگ ہیں۔ انسانوں کے معبدوں کی ذات و صفات دنیا کے تمام مشرکین کے نزد کیک ایک نہیں ہیں۔ سب کے یہاں الگ الگ خیالات ہیں جو باہم مختلف ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ آخر ان سب کے درمیان حقیقی خدا اور معبدوں کے کہا جائے؟ خدا تو وہ ہو سکتا ہے جو حقیقتاً ساری کائنات اور تمام خلائق کا اکیلا ہی خالق اور معبدوں ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں اس کا نام وہاں کی زبان میں لیا جائے گا، لیکن وہ فی الواقع ایک ہی ہستی ہے اور اس کی صفات یکساں ہیں۔

(۵) عام حالات میں مشرکین دنیا میں اپنے تصورات کے تحت بنائے ہوئے، بہت سارے خداوں کو مان کر ان کی پوجا اور پرستش میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن بڑی مصیبتوں اور آفتوں کے موقع پر وہ ان سب کو بھول کر ایک اصلی اور حقیقی خدا کو مدد کے لئے پکارتے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کی فطرت تو حیدر پر قائم ہے۔ اس کی روح کی گہرائیوں میں ایک حقیقی خدا اور سچے معبد کا تصور بیٹھا ہوا ہے۔ اسی سے مدد چاہنا، اپنی مشکلات اور پریشانیوں میں اسی کو پکarna، اسی کی جانب سے اپنے حالات کی بہتری کی امید رکھنا اور اسی سے آس اور امید سیں لگائے رکھنا، یہ انسان کی فطرت کا عین تقاضا ہے۔ اس کے برخلاف ایسے شریک خدا مقرر کرنا، جن کی اس نے کوئی خبر نہیں دی ہے اور ان کو پکarna، ان سے دعائیں مانگنا غیر فطری اور غیر عقلی

عمل ہے۔ یہ ایک سراب کی طرح ہے، جس میں کوئی شخص پانی کی تلاش میں مارا مارا دوڑتا رہے، مگر اس جگہ پہنچ تو ایک قطرہ پانی نہ ملے۔

(۶) دنیا بھر کے مشرکین ایک مدت تک اپنے اپنے تصورات کے مطابق مزعومہ خداوں کو مان کر ان کی پوجا اور پرستش کرتے ہیں مگر ایک مدت گزر جانے کے بعد ان کو چھوڑ کر دوسرے خدا بنانے لیتے ہیں اور ان کی پوجا پرستش کرنے لگتے ہیں۔ کیا اس طرح خدا مقرر کرنے اور ایک مدت کے بعد ان کو خدائی کے مقام سے ہٹا کر ان کی جگہ دوسرے خداوں کو مقرر کرنے کا اختیار انسانوں کو حاصل ہے! جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جن کو خدا مان کر پوجا پرستش کی جاتی ہے، پھر ان کو جلا کر دوسرے خداوں کی عبادت ہونے لگتی ہے، فی الواقع ان میں کوئی بھی خدا نہیں ہے۔ ایک اور پہلو قابل غور ہے کہ مشرکانہ تصوর میں خدا سے تعلق صرف پوجا و پرستش کی حد تک ہی رہتا ہے۔ اس محدود گوشے کے بعد پوری زندگی میں انسان خدا کا باغی اور نافرمان ہو جاتا ہے۔ یعنی انسان کی پوری زندگی کے لیے ہدایت کی فراہمی کام یابی کے حصول اور اخروی نجات کے سلسلے میں یہ خدا کوئی رہنمائی نہیں کرتے۔

ویدوں میں شرک کی ممانعت

ہندو دھرم کی بنیاد وید پر ہے۔ اگرچہ ان میں کہیں بھی ہندو دھرم کی اصطلاح نہیں آئی ہے۔ چارو یہ مشہور ہیں۔ رگ وید، یجرو یہ، اتھرو یہ اور سام وید۔

ان میں رگ وید سب سے قدیم ہے۔ ویدوں کی اصلی تعلیم ایک خدا کو مانے، اسی کی پوجا اور پرستش اور کامل بندگی کرنے اور اس کی نافرمانی سے بچ کر زندگی بسر کرنے کی تھی۔ اللہ کو چھوڑ کر کسی بھی دوسری زندہ یا مردہ ہستی اور شے مثلاً سورج، چاند، ستارے، پیڑ، پھر وغیرہ کو کسی بھی شکل یا فارم (Form) میں پوچنے سے ویدوں میں سختی سے منع کیا گیا ہے۔ اتھرو یہ کی درج ذیل عبارت پر غور کیجئے:

”وہ پرمیشور دوسرا ہے نہ تیرا اور نہ ہی چوتھا سے کہا جا سکتا ہے، وہ پانچواں، چھٹا اور ساتواں بھی نہیں ہے۔ وہ آٹھواں، نواں اور دسوال بھی نہیں ہے۔ وہ اکیلا ہے۔ وہ ان سب کو اگل دیکھتا ہے، جو سانس لیتے ہیں یا نہیں لیتے۔ تمام

طاقيں اسی کی ہیں۔ وہ بڑی طاقت والا ہے، جس کے قبضہ قدرت میں پوری کائنات ہے، وہ ایک۔ اس کی طرح دوسرا نہیں۔ یقینی طور پر وہ ایک ہی ہے۔“

(اُنھروید: ۱۶:۳: ۱۳)

یحودیہ میں درج ذیل عبارت ملتی ہے:

”وہ لوگ تاریک گہرائیوں کے اندر ہیرے میں ڈوب جاتے ہیں، جو مادہ جیسے آگ، مٹی اور پانی وغیرہ کے پچاری ہیں۔ وہ اس سے بھی گہری تاریکیوں میں ڈوبتے ہیں، جو مادہ سے مرکب اشیا مثلاً پیٹر پودے اور مورتیاں وغیرہ کی

پوچا میں ملوث ہیں۔“ یحودیہ۔ ۹:۲۰

رُگ وید میں درج ذیل تعلیم ملتی ہے:

”اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔“ (منڈل 10 سوکت 121 منتر 3)

”اسی سے آسمان میں مضبوطی اور زمین میں استحکام ہے۔ اس کی وجہ سے روشنیوں کی بادشاہت ہے اور آسمان، محراب (کی شکل) میں ٹکا ہوا ہے۔ فضا کے پیمانے بھی اسی کے لیے ہیں۔ (اسے چھوڑ کر) ہم کس خدا کی حمد کرتے ہیں اور نذرانے پڑھاتے ہیں۔“ (رُگ وید ۱۰: ۱۲۱)

قرآن پر ایمان لانا ضروری ہے

کیا قرآن کے علاوہ دیگر نہ ہی کتابوں مثلاً ویدوں یا بائبل کو مان کر زندگی بسر کرنا فلاح اور اخروی نجات کے لیے کافی نہیں؟ اس اہم سوال پر جذبات اور پہلے سے قائم شدہ خیالات سے بلند ہو کر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی غور و فکر کے نتیجے میں حق کی تلاش میں کامیابی نصیب ہوگی۔ کچھ دلنش و روں اور نہ ہی رہنماؤں کا خیال ہے کہ قرآن سے پہلے کی نہ ہی کتابیں اپنی موجودہ شکل میں خدا کے کلام ہی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں قرآن ہی کی طرح ایک خدا کو مانے اور اس کی دی ہوئی تعلیمات پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس لیے پچھلی نہ ہی کتابوں کو مان کر ان کی تعلیمات پر عمل کرنا کامیابی اور نجات کے لیے کافی ہے۔

ان کا مزید خیال یہ ہے کہ قرآن پر ایمان لانا اس کی تعلیمات پر عمل کرنا نیز آخری پیغمبر محمد ﷺ پر ایمان لانا کچھ ضروری نہیں ہے۔ البتہ جو لوگ قرآن کو اللہ کی کتاب اور محمد ﷺ کو آخری پیغمبر مان کر زندگی بسر کرتے ہیں وہ بھی حق پر ہیں اور وہ بھی کام یاب ہوں گے۔ یہ ایک نازک اور اہم بحث ہے۔

آج دنیا میں جن کو نہ ہی کتب کہا جاتا ہے، ان میں نمایاں کتابیں وید، گیتا، زند اوتا، بائبل اور قرآن مجید ہیں۔ نہ ہی کتابیں اور بھی ہیں، لیکن ان سب کا تذکرہ طوالت کا باعث ہو گا۔ ان میں وید، بائبل اور قرآن مجید پر غور نہیں آسان ہے۔

ویدوں میں رگ وید سب سے قدیم ہے۔ اس کے بعد اٹھروید، بیجروید اور سام وید ہیں۔ ویدوں کا زمانہ کم از کم ساڑھے تین ہزار سال قبل کا ہے، کچھ محققین اس سے بھی زیادہ مت

بتابتے ہیں۔ ہندو منہب کے ماہرین خود اس پر متفق نہیں ہیں کہ وید واقعی خدائی کلام ہے۔ باہل کا زمانہ کم از کم دو ہزار سال پرانا ہے۔ ایک بات یقین طور پر کہی جاسکتی ہے کہ یہ کتابیں محفوظ نہیں رہی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی اصلی تعلیمات کیا تھیں؟ کیا وہ تعلیمات ہر دور کے لیے تھیں۔

آج کے دور میں مذہب اور انسانی زندگی کے تعلق سے پیدا ہونے والے سوالات کا جواب کیا ان کتابوں میں موجود ہے؟ کیا یہ کتب اختلاف اور تضاد بیانی سے پاک ہیں؟ جس کتاب یا کلام میں اختلاف اور تضاد بیانی پائی جائے وہ خدا کا کلام یا کتاب نہیں ہو سکتی۔ اختلافات اور تضادات کے موجود ہونے کی صورت میں انسان اس مشکل سے دوچار ہوتا ہے کہ کس بات کو مانے اور کس کو نہ مانے۔

ایک اور پہلو سے غور کریں کہ آج مذہب کے حوالے سے انسان کو صرف عقیدے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مذہب ایسا ہونا چاہیے، جو زندگی اور کائنات کے متعلق پیدا ہونے والے اہم سوالات کے جواب فراہم کرتا ہو۔ اس کا نقطہ نظر عقل و فطرت کو اپیل کرے اور انسان کے اپنے وجود اور اس کے باہر پھیلی ہوئی نشانیوں کے مطابق ہو۔ اسی کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ مذہب فرد، خاندان اور معاشرے کو بنانے سنوارنے کا کام کرے اور مکمل رہنمائی کی ضرورت کو پورا کرنے والا ہو، یعنی مذہب کو دراصل ایک مکمل نظام زندگی System of Life اور ضابطہ حیات

Code of Conduct ہونا چاہیے۔

تمام مذہبی کتابوں کا احترام کرتے ہوئے یہ بات کہنی ضروری ہے کہ وید اور باہل دونوں اس بارے میں ایک ہی پوزیشن رکھتے ہیں۔ یعنی ان میں کوئی نظام حیات اور مکمل شریعت نہیں پائی جاتی۔ اسی لیے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ویدوں اور باہل کی تعلیم ایک خاص زمانہ کے لیے تھی۔ ممکن ہے یہ کتابیں خدائی ہدایت نامے پر مشتمل رہی ہوں۔ لیکن آج وہ تحریفات، اختلافات اور تضادات کی بنا پر زندگی کی رہنمائی سے قاصر ہیں۔ عالم گیر اور آفاقی رہنمائی کا سامان ان میں نہیں ملتا اور ایک مکمل نظام زندگی کا نقشہ نہیں پایا جاتا۔ ہاں کچھ اخلاقی تعلیمات ملتی ہیں۔ لہذا ان کتابوں کا احترام کرنا چاہیے، لیکن قرآن کے بعد وہ کتابیں منسوخ ہیں۔ زندگی کی ہدایت و رہنمائی کا سامان، مسائل حیات کا حل اور اخروی نجات کا راستہ صرف قرآن میں ملے گا۔

ایک اہم حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کو مانے میں پچھلی مذہبی کتابوں کو مانا شامل ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کے انکار کا مطلب یہ ہو گا کہ پچھلی نہیں کتابوں کو نہ مانا جائے۔ باقبال، میں پائی جاتی۔ کیوں کہ موجودہ عیسائیت کے بانی سینٹ پال نے شریعت کو منسوخ قرار دیا تھا۔ چنانچہ زندگی بسر کرنے کے لیے خدا کی احکام کی بنیاد ہی ختم ہو گئی۔ آج دنیا میں ستر سے کچھ زائد الگ الگ باقبال کے نئے نئے جاتے ہیں، جن کو مختلف مسیحی فرقے اصلی باقبال مانتے ہیں اور دوسری باقبال کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن کے علاوہ بیش تر نہیں کتابوں میں رہبہانیت، تجداد اور سنیاس کی زندگی بسر کرنے کو مثالی (Idial) کہا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر تمام لوگ رہبہانیت اختیار کر لیں تو خاندان، سماج اور تہذیب و تمدن باقی نہیں رہیں گے۔ دوسری طرف بعض نہیں خیالات میں شدید قسم کی دنیا پرستی اور مادہ پرستی کا رجحان بھی ملتا ہے۔ لہذا اس صورت حال میں کچھی خدا پرستی اور خدا ترسی کی گنجائش کہاں باقی رہ سکتی ہے؟

قرآن کے بارے میں غور کریں۔ آج سے ایک ہزار چار سو پچاس سال قبل حضرت محمد ﷺ پر عرب کے شہر مکہ میں قرآن کا نزول ہوا۔ ۲۳ رب رسول میں تھوڑا تھوڑا کر کے اس کا نزول مکمل ہوا۔ حضرت محمد ﷺ نے خدا کے آخری کلام کی حیثیت سے اس کو پیش کیا۔ ان کی زندگی میں ہی اس کی ترتیب مکمل ہوئی۔ قرآن مجید اپنے آپ کو کلام اللہ کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ یہ اعلان کہ قرآن کوئی انسانی تصنیف نہیں ہے، بلکہ انسانیت کے نام اللہ کا پیغام اور ہدایت نامہ ہے، قرآن مجید میں بار بار دہرا یا گیا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی کہی ہوئی باقتوں کو یا ان کے عمل کو حدیث کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید مستند اور محفوظ ہے۔

قرآن مجید پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ پچھلی کتابوں میں جو سچائیاں پیش کی گئی تھیں وہ گم ہو کرہ گئیں اور تحریفات کا شکار ہونے کی بنا پر صداقت گم ہو گئی۔ اس لیے قرآن مجید کو فرقان کہا گیا۔ یعنی قرآن مجید پچھلی کتابوں کی تعلیمات کو پرکھنے کے لیے کسوٹی بھی ہے اور وہ نگران بھی ہے۔ قرآن مجید آخری کتاب ہونے کی بنا پر سارے انسانوں کے لیے ہے۔ اس کتاب میں بار بار یہ بات بتائی گئی ہے کہ سارے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی اب صرف قرآن ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔

قرآن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کا نزول کسی خاص قوم، زمانہ یا نسل کے لیے

نہیں ہوا ہے، بلکہ اس میں رہتی دنیا تک سارے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کا سامان موجود ہے۔ اس کا مرکزی موضوع انسان ہے۔ یعنی وہ انسان کی فلاح و نجات کی راہ کھولتا ہے۔ ناکامی اور جہنم کے عذاب سے بچنے کے لیے اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن عقل و فطرت کو بنیاد بنا تا ہے، اپنی ذات سے لے کر کائنات میں پھیلی ہوئی بے شمار نشانیوں پر غور و فکر کرنے کے بعد پیغام حق کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کی ہربات دلیل کی روشنی میں ہے۔ وہ آنکھیں بند کر کے اپنی کسی تعلیم یا رہنمائی کو قبول کرنے کے لیے نہیں کہتا۔ عقل سے کام لینے اور غور و فکر کرنے کے بعد فیصلہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن میں کہیں بھی کوئی اختلاف یا تضاد نہیں پایا جاتا۔ اس میں ایک مضبوط اور سچا عقیدہ، عبادات کا جامع نظام، اخلاق و کردار اور معاملات زندگی کے متعلق موزوں و متوازن رہنمائی ملتی ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ انسانی زندگی کے اجتماعی شعبوں مثلاً تعلیم، تہذیب و تہذیب، سیاست و میشیت، سماجی زندگی، اور دیگر شعبہ ہائے حیات کے بارے میں اس میں جامع رہنمائی موجود ہے۔ قرآن انسانی زندگی کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ قرآن کی بنیاد پر محمد ﷺ نے فرد، خاندان، معاشرہ اور نظام کی تعمیر و تشکیل فرمائی۔

عرب میں حضرت محمد ﷺ نے ایک مکمل انقلاب برپا کیا۔ تمام بڑی چھوٹی برا یوں سے معاشرہ پاک ہو گیا۔ شراب، جواہ، بیجوں کے قتل ناقص، چوری اور لوث مار قتل و غارت گری وغیرہ برا یوں کو آج مہذب حکومتیں کروڑوں، اربوں روپے خرچ کر کے اور پولیس، قید خانوں اور عدالتی نظام کا اہتمام کر کے بھی مٹانے میں ناکام ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ غربی، بھوک، مرض، جہالت اور فرقہ وفاقة کو پیچ سالہ منصوبے بننا کر بھی دور نہیں کر سکی ہیں لیکن محمد ﷺ کے انقلاب میں ان سب برا یوں کا خاتمه ہوا۔ معاشرے میں امن و سکون، عدل و انصاف اور انسانی مساوات کی فضائام ہوئی۔ انسانیت کی بہار آئی۔ تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ خاص طور پر حضرت محمد ﷺ نے عورتوں، کم زوروں اور غلاموں کا انسانی مقام بحال کیا۔ ان کے حقوق مقرر کیے اور حقوق کی خلاف ورزی پر سب کے لیے یکساں قانون نافذ کیا۔ یہ انقلاب صرف مادی نہیں تھا۔ بلکہ بے یک وقت اخلاقی، روحانی، تعلیمی اور سیاسی انقلاب تھا۔ یہ ایک جامع انقلاب تھا جس کی انسانیت کو آج بھی شدید ضرورت ہے۔ اس انقلاب کو برپا کرنے کے لیے حضرت محمد ﷺ کے اصولوں اور عملی نمونے سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔

اوتابرواد یا رسالت

ہمارے ملک کا عقیدہ اوتابرواد ہے۔ اس کا مطلب یہ بتایا جاتا ہے کہ جب زمین میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور ظلم و فساد بڑھ جاتا ہے تو اصلاح کے لیے اللہ خود زمین میں کسی روپ میں ظاہر ہوتا ہے اور اس بگاڑ اور ظلم و فساد کو دور کر کے چلا جاتا ہے۔ شیعو بھگوان کے درج ذیل دس اوتابار مانے گئے ہیں: رام، پرسورام، کرشن، بلرام، مہاوار یہلین اور گومت بدھ، نرسنگ (آدھا انسان آدھا شیر) مجھلی، کچھوا، سور۔

کچھ لوگوں نے اوتابروں کی تعداد چوبیس یا اس بھی زیادہ بتائی ہے۔ شیعو بھگوان کے بھی اوتابار مانے گئے ہیں۔

لیکن بعض مذہبی ماہرین کا کہنا ہے کہ اوتابار کے معنی خدا کے خود ظاہر ہونے کے نہیں ہیں بلکہ اوترت ہونے کے ہیں۔ یعنی کسی پیغام کا نازل کیا جانا یا نازل ہونا۔ گویا لفظ اوتابار کے معنی پیغام لانے والے کا زمین پر بھیجا جانا یا نازل ہونا ہے۔

ڈاکٹر ایم اے شری واستو تحریر فرماتے ہیں:

”اوتابار کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ خدا خود زمین پر مجسم صورت میں آتا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے پیغمبر (اوتابار) بھیجا ہے۔ اس نے انسانوں کی فلاح وہدایت اور نجات کے لیے اوتابار یا پیغمبر بھیجی۔ یہ سلسلہ حضرت محمد ﷺ پر ختم کر دیا گیا۔ سوامی دیوبند اور گرو نانک جیسی عظیم ہستیوں نے بھی پیغمبری اور رسالت کی تائید کی ہے۔ پنڈت سندرلال، ڈاکٹر وید پرکاش اپادھیائے، ڈاکٹر

پی اتھ چوبے، ڈاکٹر رمیش پرشاد گرگ اور پنڈت درگانشکر سیار تھی جیسے فاضل محققین نے اوتار کا مفہوم خدا کے ذریعہ انسانیت کی فلاج ونجات کے لیے اپنے پیغمبر اور رسول بھیجنایا ہے۔

(حضرت محمد ﷺ اور ہندوستان کے مذہبی صحife۔ ڈاکٹر ایم اے شری واستو، صفحہ ۵)

آخری اوتار کوکلی اوتار یا زراشنس کہا گیا ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ اوتار کا عقیدہ ویدوں میں نہیں ہے۔ غالباً اوتار واد ہندو دھرم کا عقیدہ نہیں تھا، اسے باہر سے لا کر شامل کر لیا گیا۔ البتہ گیتا اور پرانوں میں اوتار واد کا تذکرہ موجود ہے۔ اوتار واد کے تعلق سے درج ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

۱- مذہبی کتابوں ویدوں اور خاص طور پر قرآن مجید کے مطابق خدا تمام انسانی کم زور یوں سے پاک ہے، وہ زندگی و موت سے ماوراء ہے۔ اس جیسا کوئی نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اوتار کے مقبول عام تصور میں تمام کم زور یا خدا کی ذات میں پائی جاتی ہیں۔ ذرا سوچیے کہ خالق کائنات کا یہ کتنا تو ہیں آمیز تصور ہے کہ وہ کسی مرد کا نطفہ بن کر کسی خاتون کے رحم میں نوماہ رہ کر بچہ بن کر پیدا ہو، بچپن اور جوانی کے مرحلے سے گزرے پھر انسانی سماج میں ظلم اور فساد کو ختم کر کے اور کار اصلاح انجام دے کر وفات پائے۔ کیا خدا کی عظمت اس خیال کی اجازت دیتی ہے کہ اس کا اوتار مچھلی، سورا اور زرسنگھ ہو!!

۲- خدا کی جو صفات مذہبی کتابوں میں بتائی گئی ہیں اور خدا کی عظمت اور شان کا جو تصور پایا جاتا ہے، اوتار واد کا عقیدہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ خدا خود آکر سب کام کر کے چلا جاتا ہے تو وہ انسان کے لیے کوئی نمونہ نہیں ہو سکتا۔ انسانوں کے لیے تو انسان ہی نمونہ اور مائل بن سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ویدوں پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے زراشنس کے آنے کی پیشین گوئی موجود ہے۔ ویدوں میں سب سے قدیم رگ وید ہے۔ سب سے آخر میں انحراف وید ہے۔ پنڈت وید پر کاش اپادھیائے نے ویدوں کے حوالے دے کر ثابت کیا ہے کہ زراشنس اور اتم رشی کی یہ پیشین گوئی حضرت محمد ﷺ کے متعلق ہے۔ ویدوں میں محمد اور احمد دونا م آئے ہیں۔ زراشنس کی خصوصیات جو ویدوں میں بتائی گئی ہیں

وہ صرف حضرت محمد ﷺ پر پوری اترتی ہے۔

اسی طرح پرانوں اور اپنی شدزوں میں آخری اوتار بنام ملکی اوتار کا تذکرہ ملتا ہے۔
ملکی اوتار کی جو خصوصیات اور نشانیاں بتائی گئی ہیں وہ صرف حضرت محمد ﷺ پر صادق آتی ہیں۔ پرانوں میں خاص طور پر سگرام پر ان، بھوشیہ پر ان اور بھگوت پر ان میں ملکی اوتار کے طور پر حضرت محمد ﷺ کی آمد کی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔

غالب گمان یہ ہے کہ ماضی کے مختلف ادوار میں بھارت میں پیغمبر اور نبی آئے ہوں گے۔ جنہوں نے اللہ کا پیغام پیش کیا ہوگا۔ اوتار اور رشی جن بزرگوں کو کہا جاتا ہے، وہ دراصل پیغمبر اور نبی ہی رہے ہوں گے پیغمبروں اور نبیوں کی بھارت میں آمد کو تسلیم نہ کیا جائے تو ان مذہبی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کی آمد کی پیشین گوئیوں کی کیا توجیہ کی جائے گی۔ یہ ایک سانحہ ہے کہ کچھ ہوشیار لوگوں نے پیغمبروں اور نبیوں کی تعلیمات کو چھپایا، اپنے مخصوص گروہ کے علاوہ کسی کو ان تعلیمات کا پتہ نہیں دیا۔ بعض غیر جانب دار محققین نے سنکریت سیکھ کر اور ویدوں اور دوسرا کتابوں کا مطالعہ کر کے دنیا کو ان سے واقف کرایا۔ ان تعلیمات سے شرک، آواگمن اور اوتار واد کی مقبول تعبیر کی عمارت ڈھ جاتی ہے۔

مسلمانوں نے بھارت میں اپنی آمد کے بعد اپنے طویل دورِ اقتدار میں وطنی بھائیوں کے مذہب کے بارے میں تحقیق کی کما حقہ کوشش نہیں کی۔ سنکریت زبان سیکھ کر مذہبی کتابوں کا گہر امطالعہ کیا جاتا اور حضرت محمد ﷺ کی آمد کی پیشین گوئیوں پر تحقیق کی جاتی تو برادران وطن کی بڑی تعداد ان حقائق سے واقف ہو کر دین حق سے قریب ہو جاتی۔

اوთار واد کی رائج تشریع کے برعکس اسلام نے جو تصور دیا ہے اسے عقیدہ رسالت کہتے ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ انسان صرف روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم اور علاج وغیرہ کا محتاج نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے لیے ہدایت و رہنمائی کا، (جو ایک مکمل نظام زندگی کی شکل میں ہو) ان سب سے بڑھ کر محتاج ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہدایت و رہنمائی کہاں سے آئے؟ کون ہدایت دے؟ کیوں کہ روٹی کپڑا، مکان تعلیم، علاج جیسی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے تو ایک حد تک عقل، تجربہ اور انسان کی صلاحیتیں بھی کافی ہیں، لیکن علم کے یہ ذرائع کیا ہدایت و رہنمائی اور نظام زندگی بھی دے سکتے

ہیں؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ انسان نے اپنی عقل، تجربات اور ماضی کی تاریخ سے استفادہ کر کے جتنے نظریات، فلسفے اور مذاہب بنائے، وہ سب ناکام ہو گئے۔

اللہ خالق، مالک اور پالہنار ہی نہیں، بلکہ وہ بہترین ہدایت دینے والا اور رہنمائی فرمانے والا بھی ہے۔ اس نے انسان کو نائب، خلیفہ اور اشرف الخلوقات بنایا۔ اسے وہ اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔ اس کی صفتِ عدل و حکمت اور ربوبیت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ہدایت و رہنمائی دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جو پہلے انسان اور پہلے پیغمبر بھی تھے، اور ان کی نسل کو آغاز ہی سے ہدایت و رہنمائی عطا فرمائی۔

وقت گزرنے کے ساتھ انہی آبادی پھیلتی گئی تو اللہ نے مختلف قوموں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اپنے منتخب بندوں کو اپنا رسول مقرر فرمایا۔ ان کو نبی اور پیغمبر کہتے ہیں۔ اس سلسلے کو رسالت یا سلسلہ نبوت کہا جاتا ہے۔ مشہور روایت اگر صحیح ہو تو حضرت محمد ﷺ کا زمانہ آنے تک تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور ان بیاء دنیا میں آچکے تھے۔ آپؐ کے زمانے میں ذرائع ابلاغ اور ذرائع حمل و نقل میں اتنی ترقی ہو چکی تھی کہ ایک عالم گیر سوسائٹی وجود میں آگئی تھی۔ اسی لیے اب الگ الگ قوموں کے لیے نبیوں اور پیغمبروں کو بھیجنے کے بجائے ایک ہی پیغمبر کا تمام انسانوں کے لیے مقرر کیا جانا کافی تھا۔ حضرت محمد ﷺ اور ان پر نازل شدہ کتاب قرآن مجید، محض عرب قوم کے لیے نہیں، بلکہ سارے انسانوں کے لیے ہے۔

حضرت محمد ﷺ کو انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کا آخری، جامع اور مکمل ایڈیشن دین اسلام کے نام سے عطا کیا گیا۔ آپؐ مختار کی پوری روشی میں تشریف لائے۔ آپؐ کی سیرت اور اقوال محفوظ ہیں جو کتاب آپؐ پر ۲۳۰ رسوس میں تھوڑا تھوڑا کرکے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھی وہ پوری طرح محفوظ ہے۔ قرآن مجید کی ترتیب آپؐ کی زندگی میں پوری ہو چکی تھی۔ اس وجہ سے اب کسی نے پیغمبر یا نبی اور نئی کتاب کی کوئی ضرورت انسانیت کی ہدایت کے لیے باقی نہیں رہی۔

نراشنس اور کلکی اوتار

متعدد مذہبی کتابوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ آپ کے حیے کے متعلق صاف اور واضح علامات کا تذکرہ ہے۔ کچھ ایسی نشانیاں بھی بتائی گئی ہیں۔ جو صرف حضرت محمد ﷺ پر صادق آتی ہیں۔ آپ کے سوا کوئی دوسری ہستی ان پیشین گوئیوں اور علامات کی مصدق نہیں ہے۔

دنیا میں ہمیشہ یہ ہوتا رہا کہ پچھلے پیغمبروں کی تعلیمات مٹا دی گئیں اور ان کی کتابوں میں اتنی تبدیلیاں ہو گئیں کہ آج ان کی اصلی تعلیمات کا پتہ لگانا ممکن نہیں رہا۔ ان کتابوں میں من مانے اضافے کیے گئے اور بہت سی تعلیمات کو خارج کر دیا گیا۔ بسا اوقات انسانی تشریحات کو خدائی کلام میں اس طرح ملا دیا گیا کہ اس ملاوط کے نتیجے میں خدا کا کلام مسخ ہو کر رہ گیا۔ ان سب کے باوجود وید میں (جو قدیم ترین مذہبی صحیفے سمجھے جاتے ہیں) حضرت محمد ﷺ کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ ویدوں کے علاوہ توریت اور عہد نامہ جدید میں نیز بدھ مذہب اور جین مذہب کے صحیفوں میں یہ پیشین گوئیاں پائی جاتی ہیں۔ پرانوں میں حضرت محمد ﷺ کا کلکی اوتار کے نام سے تذکرہ ہوا ہے۔ اس سلسلے میں بعض ہندو دانشوروں نے اپنی تحریروں میں دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ جس عظیم ہستی کی آمد سے متعلق یہ پیشین گوئیاں اور علامات درج ہیں وہ صرف حضرت محمد ﷺ ہیں۔ ویدوں میں آپ کو زراشنس کہا گیا ہے۔ محمد اور احمد، جو آپ کے دوناں ہیں باقاعدہ درج ہیں۔ زراشنس سنکرت لفظ ہے۔ یہ دو الفاظ سے مرکب ہے: ”ز“ اور ”آشنس“۔ ز کے معنی انسان کے ہوتے ہیں اور آشنس کا معنی ہے: جس کی تعریف کی گئی ہو۔ زراشنس کے متعلق چاروں

ویدوں میں اکتیس (۳۱) مقامات پر تذکرہ موجود ہے۔

پنڈت وید پر کاش اپادھیائے اپنی کتاب زرائن اور آخری رسول، میں فرماتے ہیں:

”ہمیں ایک ایسی شخصیت کو تلاش کرنا ہے جو انسان بھی ہو، جس کی تعریف کی گئی ہو اور جس کی تعریف کی جائے گی۔ محمد ﷺ انسان تھے، لہذا ان میں آدمیت اور تعریف دونوں خصوصیات بدرجاتم پائی جاتی ہیں۔ زرائن اور محمد ﷺ ایک ہی شخصیت کا سنکرت اور عربی نام ہے۔“ (ص: ۱۲)

اُخرو وید میں حضرت محمد ﷺ کے مقام کی صراحت درج ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

”اس کی سواری اونٹ ہو گی۔“ (اُخرو وید: 2-127)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت محمد ﷺ جس علاقے میں آئیں گے وہاں اونٹ سواری کے لیے استعمال کیے جاتے ہوں گے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ حضرت محمد ﷺ کا علاقہ ریگتالی تھا اور سواری کے لیے آپ نے اونٹ کا استعمال کیا ہے۔

یہ وید کا ایک اہم شلوک یہ ہے، جس میں حضرت محمد ﷺ کا ایک نام احمد درج ہے:

”احمد عظیم شخص ہے۔ سورج کی مانند اندھیرے کو ختم کرنے والے، ان ہی کو جان کر آخرت میں کامیاب ہوا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کامیابی تک پہنچنے کا کوئی دوسرا سائز نہیں۔“ (یہ وید: 18-31)

ڈاکٹر ایم اے شری واستو اپنی کتاب وید ک ساہبیہ ایک دیوپن، (صفحہ: ۱۰۱) میں آلوپ اپنیشد سے درج ذیل مندرجہ ذیل فرماتے ہیں:

”اس دیوتا کا نام اللہ ہے۔ وہ ایک ہے۔ متراء، ورون وغیرہ اس کی صفات ہیں۔ حقیقت میں اللہ ورون ہے، جو تمام کائنات کا رب ہے۔ دوستو! اس اللہ کو اپنا معبود سمجھو۔..... اللہ سب سے بڑا، سب سے بہتر، سب سے زیادہ مکمل اور سب سے زیادہ پاک ہے۔ محمد اللہ کے متبر رسول ہیں۔ اللہ ابتداء سے آخر تک اور تمام عالم کا خالق ہے۔ تمام اچھے نام اللہ کے لیے ہیں۔ حقیقت میں اللہ ہی ہے، جس نے سورج، چاند اور ستارے پیدا کیے ہیں۔ (۱، ۲، ۳)

حضرت محمد ﷺ سے متعلق مزید علامات کی تفصیل درج ہے:

- نراشنس کو علم الہی دیا جائے گا۔ (رُگ وید سنہتا: ۳-۱۱۳)
 - نراشنس لوگوں کو گناہوں سے نکالے گا۔ (رُگ وید: ۳-۱۰۲)
 - نراشنس کا ایک دنیاوی نام محمد ﷺ ہو گا۔ (اٹھروید: ۳-۱۲-۲۰)
 - نراشنس دس مالاًوں والا ہو گا۔ (اٹھروید: ۳-۱۲-۲۰)
 - نراشنس دس ہزار گوئں والا ہو گا۔ (اٹھروید: ۳-۱۲-۲۰)
- اٹھروید میں درج ذیل عبارت پر غور فرمائیں:
- ”لوگو! سنو، نراشنس کو لوگوں کے درمیان مبعوث کیا جائے گا۔ اس مہاہیر کو ہم ۶۰ ہزار ۹۰ دشمنوں سے پناہ میں لیں گے۔“
 ”اس کی سواری اونٹ ہو گی، جس کی عظمت آسمانوں کو بھی جھکا دے گی۔ اس عظیم پرش (بزرگ) کو سود بینار، دس مالاً میں، تین سو گھوڑے اور دس ہزار گائیں دی جائیں گی۔
 (اٹھروید: ۳-۱۲-۲۰، ۳-۱۲-۲۰)

ان منتروں کے متعلق پہنچت وید پر کاش اپا دھیاۓ نے اپنی کتاب نراشنس اور آخرت رشی میں ثابت کیا ہے کہ سود بینار سے مراد اصحاب صفات اور تین سوتیہ گھوڑوں سے مراد غزوہ بدرا کے صحابہ اور دس ہزار گایوں سے مراد فتح مکہ کا شکر ہے۔

کلکلی اوتار

اس عنوان کے تحت جو تفصیلات ذیل میں درج کی جا رہی ہیں، وہ ڈاکٹر ایم اے شری و استو کی کتاب ”حضرت محمد ﷺ اور بھارتیہ دھرم گرنتھ“ (صفحات ۲۳-۳۶) کا خلاصہ ہیں۔ جو قارئین تفصیلات دیکھنا چاہیں انھیں اصل کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

اوთار کا مطلب انسانوں کو اللہ کا پیغام پہنچانے والے بزرگ شخص (مہاتما) کا زمین پر پیدا ہونا ہے یا دوسرے الفاظ میں اللہ سے تعلق رکھنے والے شخص کا زمین پر بھیجا جانا ہے۔ خدا سے سب سے زیادہ تعلق رکھنے والا، اس کا بھکت یا پرستار (بندہ) ہی ہو سکتا ہے۔ قدیم دور میں ایک اوთار سے پوری دنیا کی فلاح ممکن نہ تھی۔ اس لیے ہر ملک یا زمانہ کے لیے الگ الگ اوთار ہوئے ہیں۔ قرآن میں ہے:

”ہر قوم کے لیے ایک ہدایت پہنچانے والا ہے۔“ (الرعد: ۷)

آخری اوتار کلکلی کی خصوصیت امتیازی ہے۔ کیوں کہ وہ کسی ایک خطے کے لیے نہیں بلکہ ساری کائنات کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ جب لوگ حقیقی دین سے مخالف ہو کر بے دینی کی راہ اختیار کر لیتے ہیں، یادیں کو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے مسخ کر دیتے ہیں تو انھیں صحیح راہ دکھانے کے لیے خدا اپنے اوتار یا پیغمبر بھیجنتا ہے۔

آخری اوتار کی آمد کے آثار و علامات

کلکلی کے آنے کے وقت ماحول کی تصویر کیشی اس طرح کی گئی ہے کہ ہر طرف برابریت کا غلبہ ہو گا، لوگوں میں تشدد، انار کی اور لا قانونیت کا بول بالا ہو گا۔ دوسروں کو مارکران کا مال لوٹ لیا جائے گا۔ لڑکیوں کے پیدا ہوتے ہی انھیں زمین میں گاڑ دیا جائے گا۔ ایک خدا کو چھوڑ کر سینکڑوں خداوں کی پوجا اور پرستش عام ہو گی۔

حضرت محمد ﷺ کی آمد کے زمانے میں لوگوں نے اصل مذہب کو بھلا دیا تھا اور ایک خدا کی جگہ کہیں تین، کہیں سینکڑوں خدا بنا لیے گئے تھے۔ مذہب کا مطلب تو ہم اپریقین اور بت پرستی تھا۔ یہ بات قبل غور ہے کہ آخری اوتار کا زمانہ جنگوں میں گھوڑوں اور تلواروں کے استعمال کا زمانہ تھا۔ تلواروں اور گھوڑوں کا دور تواب ختم ہو چکا ہے۔ اب جنگوں میں ٹینکوں اور جدید اسلحہ کا استعمال ہوتا ہے۔ ۱۳۰۰ء سال قبل تلوار اور گھوڑے استعمال کیے جاتے تھے۔

کلکلی اوتار کا مقام کلکلی پران اور بھاگوت پران میں شنہل گاؤں بتایا گیا ہے۔ شنہل گاؤں کا نام ہے یا گاؤں کی صفت، یہ تحقیق طلب ہے۔ چنانچہ محققین نے بتایا ہے کہ شنہل در اصل گاؤں کی صفت ہے۔ یعنی وہ مقام جس کے آس پاس پانی ہو اور وہ مقام نہایت پر کشش اور امن و سکون والا ہو۔ شنہل کے لفظی معنی 'امن' کی جگہ کے ہیں۔ مکہ کو دارالامان کہا جاتا ہے، جس کا لفظی معنی 'امن کا گھر' ہوتا ہے۔

کلکلی پران کے دوسرے باب کے اشلوکوں میں آخری اوتار کی تاریخ پیدائش اور ان کے والدین کے ناموں کا ذکر ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کی پیدائش سے دھنی انسانیت کو فلاح نصیب ہو گی۔ اس کی پیدائش موسیٰ بہار کے ربيع فصل میں چاند کی بارہویں تاریخ کو ہو گی۔

حضرت محمد ﷺ کی پیدائش ۱۲ ربیع الاول کو مکہ میں ہوئی۔ ربیع کے معنی ہیں موسم بہار کا مہینہ۔ کلکی کے والد کا نام وشنو ولیش بتایا گیا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کے والد کا نام عبد اللہ تھا۔ وشنو یعنی اللہ اور ولیش یعنی بندہ۔ کلکی کی ماں کا نام سوتی (سوم و تی) آیا ہے۔ اس کے معنی ہیں، امن اور غور و فکر کی صفت رکھنے والی۔ محمد ﷺ کی ماں کا نام آمنہ تھا جس کے معنی امن والی ہوتے ہیں۔

کلکی اوتار کی خصوصیات

- وہ گھوڑے پر سوری کرنے والا ہو گا۔
- وہ طالموں کا زور ختم کرے گا۔
- چار بھائیوں کے تعاون سے آراستہ ہو گا۔ (کلکی چار ساتھیوں کے تعاون سے شیطان سے نمٹیں گے) حضرت محمد ﷺ کے چار ساتھی: ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ تھے۔
- کلکی کو آخری زمانے کا اوتار بتایا گیا ہے۔ بھاگوت پران کے چوبیس اوتاروں میں کلکی سب سے آخری اوتار ہیں۔ حضرت محمد ﷺ نے اعلان کیا کہ وہ خدا کے آخری پیغمبر (اوთار) ہیں۔

کلکی کی آٹھ صفات

- کلکی اوتار کو بھاگوت پران کے اسکندرہ بارہ (۱۲) ادھیاے ۲ میں آٹھ صفات سے متصف کیا گیا ہے۔ ان صفات کا تذکرہ مہابھارت میں بھی ہوا ہے۔ یہ صفات درج ذیل ہیں:
- (۱) وہ بڑا عالم ہو گا۔
 - (۲) وہ علی نسب کا ہو گا۔
 - (۳) وہ ضبط نفس والا اور مرتقی ہو گا۔
 - (۴) وہی کا علم رکھنے والا ہو گا۔
 - (۵) وہ بہادر اور حوصلہ مند ہو گا۔
 - (۶) وہ کم تخرن ہو گا۔
 - (۷) وہ فیاض ہو گا۔
 - (۸) وہ شاکر ہو گا۔

مذکورہ بالا صفات کو حضرت محمد ﷺ کی مبارک زندگی میں کامل طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

حضرت محمد ﷺ کی مختصر سیرت

بچھلے صفات میں آپ کے سامنے توحید، رسالت اور آخرت کے بارے میں بتایا جا چکا ہے۔ آپ جان پکے ہیں کہ پہلے انسان حضرت آدم اور ان کی بیوی حضرت حوا تھے۔ اللہ کے حکم سے یہ جوڑا زمین پر اتارا گیا۔ انسانی زندگی کی رہنمائی کے لیے اللہ کی طرف سے ہدایت یعنی مذہب حضرت آدم کو دیا گیا۔ وہ مذہب اسلام تھا۔ (اس زمانے کی زبان کے مطابق جو بھی اس کا نام رہا ہو۔) حضرت آدم پہلے پیغمبر تھے۔ جوں جوں اولاد آدم بڑھتی گئی، مختلف علاقوں میں بھیتی اور آباد ہوتی چلی گئی، اللہ نے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے پیغمبروں کا سلسلہ جاری فرمایا۔ یہ پیغمبر دنیا کے ہر ملک اور قوم میں مختلف زمانوں میں بھیجے گئے تھے۔ ہمارے ملک بھارت میں بھی ضرور پیغمبر آئے ہوں گے۔ سلسلہ پیغمبری کی آخری کڑی حضرت محمد ﷺ ہیں۔ یہاں ان کی مبارک اور پاکیزہ زندگی کا مختصر تعارف کرایا جا رہا ہے۔ آپ حضرت محمد ﷺ کے تفصیلی حالات جاننے کے لیے دیگر کتابوں کا مطالعہ کریں۔

حضرت محمد ﷺ ۱۷ء میں مکہ شہر (عرب) میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش سے چند ماہ قبل آپ کے والد عبد اللہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ ولادت کے چھ سال بعد والدہ آمنہ بھی انتقال کر گئیں۔ اس طرح آپ بچپن ہی میں تیم ہو گئے۔ آپ کی پرورش دادا عبدالمطلب نے کی۔ ان کے انتقال کے بعد آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کو پالا پوسا۔

آگے بڑھنے سے پہلے حضرت محمد ﷺ کے بارے میں چند اہم باتیں جان لینا نہایت ضروری ہے:

۱۔ حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری کی پیشین گوئیاں بچھلی مددی کتابوں میں صاف اور واضح طور پر پائی جاتی ہیں۔ مثلاً وید، پران، توریت اور انجلیل (موجودہ بابل)، بودھ صینے وغیرہ۔ اگرچہ ان کتابوں کی حفاظت نہیں ہو سکی۔ ان میں بہت ساری تحریفات اور تبدیلیاں خود ان کتابوں کے ماننے والوں نے کرڈیں۔ لیکن اس کے باوجود حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری کی پیشین گوئیاں اور علامات درج ہیں۔ یہ ساری باتیں سونی صدی صرف حضرت محمد ﷺ پر صادق آتی ہیں۔ اس کا کچھ تذکرہ بیچھے گزر چکا ہے۔

ویدوں میں حضرت محمد ﷺ کو راشنس کہا گیا ہے۔
پرانوں میں حضرت محمد ﷺ کو مکمل اوتار کہا گیا ہے۔
بابل میں حضرت محمد ﷺ کو فارقلطی کہا گیا ہے۔
بودھ گرنتھوں میں حضرت محمد ﷺ کو آخری بودھ کہا گیا ہے۔

۲۔ حضرت محمد ﷺ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ آپ تاریخ کی پوری روشنی میں آئے ہیں۔ یعنی آپ کی پیدائش سے لے کر بچپن، جوانی اور نبوت کے منصب پر آپ کے تقریباً ۶۳۲ء پیغمبر بنائے جانے کے بعد ۲۳۲ سالہ پیغمبرانہ زندگی کی تمام تفصیلات میں (یہاں تک کہ ۱۴۰۰ء میں وفات کے حالات تک) مستند ذرائع سے ریکارڈ کیے گئے ہیں۔ آج تقریباً ۱۴۵۰ء سال گزر چکے ہیں، لیکن آپ کی ۲۳ گھنٹے کی روزمرہ زندگی کی سرگرمیاں محفوظ ہیں۔

۳۔ حضرت محمد ﷺ نے واضح فرمایا کہ آپ کوئی نیا پیغام اور نیادین لے کر نہیں آئے ہیں، بلکہ اللہ کے بچھلے پیغمبروں اور نبیوں نے جو پیغام اور تلقیمات خدا کی جانب سے پیش کی تھیں وہی آپ نے سارے انسانوں کے سامنے پیش فرمائیں۔ اس طرح آپ اسلام کے بانی نہیں ہیں، اسلام خدا کی طرف سے ہے۔

یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے اوتار (یعنی روپ) نہیں ہیں بلکہ انسان ہیں اور اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں۔

بچپن اور جوانی

حضرت محمد ﷺ کا بچپن اس زمانے کی تمام خرابیوں سے بالکل پاک اور صاف تھا۔

آپ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے۔ آپ ہمیشہ سچ بولتے تھے۔ کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ شرم و حیا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ پاکی اور صفائی آپ کو بہت محبوب تھی۔ معاملات، لین دین وغیرہ میں ایسے کھرے تھے کہ جن لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ کار و بار کیا اور سفر کیا انہوں نے ہمیشہ آپ کی تعریف بیان کی۔ کسی نے ادنی درجے کی بھی کوئی شکایت کبھی نہیں کی۔ آپ کی زندگی بہت سادہ تھی، اتنی سادہ اور باوقار کہ کوئی انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ آپ کے گھر، لباس، رہن سہن، کھانے پینے کی ساری تفصیلات کتابوں میں درج ہیں۔ آپ کے اندر اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام لینے کا جذبہ نہیں پایا جاتا تھا۔ آپ بہت زیادہ معاف اور درگزر کرنے والے تھے۔ کبھی کسی غلام، لوگوں، بچے یا عورت کو نہیں مارا، آپ کم زوروں، غلاموں اور یتیموں اور بچوں سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ آپ ہمیشہ جانوروں پر رحمت و شفقت کا برتاؤ کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی بہت تاکید کرتے۔ کبھی کسی جانور کو نہیں مارا۔ وعدے کے پکے تھے۔ بہت مہمان نواز اور پڑوسیوں سے حسن سلوک کرتے۔ بندوں کے حقوق کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ عرب سماج میں بت پرستی عام تھی۔ اس کے علاوہ بڑی بڑی براہیاں عام طور پر پائی جاتی تھیں اور لوگ انھیں چند اس معیوب نہیں سمجھتے تھے، مثلاً شراب، جوا، زنا، بے حیائی اور قتل و غارت گری، لوث مار اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا وغیرہ۔ ان سب براہیوں سے آپ کا دامن ہمیشہ پاک رہا۔

آپ نے تجارت کی اور اپنی ایمانداری و دیانت داری کی بناء پر بہت کام یاب رہے۔ پچیس سال کی عمر میں ایک خاتون (حضرت خدیجہؓ) سے نکاح کیا۔ حضرت خدیجہؓ دو مرتبہ یہو ہو چکی تھیں اور نکاح کے وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ ان سے آپ کی کئی اولادیں ہوئیں، جن میں تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ تینوں بیٹے بچپن میں انتقال کر گئے۔

آپ چالیس سال کی عمر کو پہنچنے تک مکہ میں صادق و امین کی حیثیت سے معروف ہو چکے تھے۔ غریبوں، بیواؤں، یتیموں اور مسافروں کے ساتھ خلوص و محبت کا برتاؤ کرتے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے۔

بدامنی، فساد، ظلم اور زیادتی سے آپ کو خفت نفرت تھی۔ شعور سنجاتے ہی آپ نے سماجی اور عوامی زندگی کو قریب سے دیکھا اور قوم کی خرابی اور بگاڑ کو دیکھا تو آپ کو بہت دکھا اور

صد مہہ ہوا۔ خانہ کعبہ، ایک خدا کی عبادت اور بندگی کے لیے بنایا گیا تھا۔ لیکن لوگوں نے اس میں ۳۶۰ بت رکھ لیے تھے۔ عرب میں قبائلی زندگی پائی جاتی تھی۔ ہر قبیلہ کا دیوتا الگ الگ تھا۔ شادی کے بعد آپ مکہ سے کچھ فاصلے پر ایک پہاڑی پر (جس کا نام غارِ حراء ہے) ہتھریف لے جاتے اور تہائی میں سوچ پھار کرتے تھے۔ آپ کی قوم میں بعض بڑی انسانی خوبیاں پائی جاتی تھیں، لیکن ساتھ ہی اس میں مذکورہ مہلک خرابیاں پیدا ہوئی تھیں۔ پورے سماج میں ظلم و زیادتی اور بد امنی عام تھی۔ طاقت و رُکم زور کو دبالتا تھا اور عدل و انصاف ختم ہو چکا تھا۔

ان حالات میں خدا کی جانب سے ایک فرشتہ (حضرت جبریلؑ) آیا اور بتایا کہ آپ کو اللہ نے اپنا پیغمبر بنایا ہے۔ آپ صرف عرب قوم ہی نہیں، بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے پیغمبر بنائے گئے ہیں۔

اس بھاری اور نازک ذمہ داری کے اچانک بوجھ سے فطری طور پر آپ کو گھبراہٹ ہوئی۔ گھر تشریف لائے۔ حضرت خدیجہؓ سے سارا ماجرا سنایا۔ انہوں نے تسلی دی کہ ”اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں کرے گا، آپ ہمیشہ حق بولتے ہیں، رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرتے ہیں، بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں۔ غریبوں اور بے سہارالوگوں کی مدد کرتے ہیں۔“ بیوی اپنے شوہر کی دوسروں کے مقابلہ میں سب سے بڑھ کر رازدار ہوتی ہے۔ حضرت خدیجہؓ کی یہاں ہی حضرت محمد ﷺ کی صداقت کا بہت بڑا ثبوت ہے۔

غار حراء سے مکہ واپس آنے کے بعد آپ پھر غار کی تہائی میں نہیں گئے۔ یہاں کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ حضرت محمد ﷺ پیغمبر بننے کی تیاری کر رہے تھے۔ پیغمبری اور نبوت، محنت اور کوشش کر کے پانے کی چیز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی خاص بندے کو خود منتخب کر کے پیغمبر بناتا ہے۔ اس کے ذریعہ سے انسانوں کو ہدایت و رہنمائی ملتی ہے اور اس کی عملی زندگی لوگوں کو اللہ کی مرضی پر چلنے کا راستہ بتاتی ہے۔ اس طرح حضرت محمد ﷺ سلسلہ نبوت کے آخری پیغمبر ہیں۔ یہ غلط فہمی بھی نہ ہوئی چاہیے کہ آپ صرف سماج کو سدھارنے والے مصلح تھے، اسی طرح آپ کی حیثیت کسی سنت، صوفی یا پیر جیسی نہیں ہے۔ آپ اصلاً اللہ کے پیغمبر تھے اور اس حیثیت میں اللہ کے بندوں تک حق کا پیغام پہنچانے کا کام، خدا کی ہدایت و رہنمائی کے مطابق انجام دیتے

تھے۔ محض ۲۳ برس کی مختصر سی مدت میں آپ نے اپنی پیغمبرانہ بصیرت اور قیادت کے ذریعے پورے عرب میں ایک مکمل انقلاب برپا کیا اور بہترین انسانوں کی ایک بڑی جماعت تیار کی۔

دعوت کا آغاز

پیغمبر مقرر کیے جانے کے بعد آپ نے کہ میں صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر (اس زمانے کے رواج کے مطابق) لوگوں کو جمع ہونے کے لیے آواز دی۔ لوگ جمع ہو گئے۔ پہلے آپ نے ان سے پوچھا کہ وہ آپ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ آپ ہمیشہ سچے اور امانت دار انسان رہے ہیں اور آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔ اس کے بعد آپ نے بتایا کہ پہاڑی پر کھڑے ہونے کی وجہ سے آپ دونوں طرف دیکھ سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”اگر میں کہوں کہ ”ایک لشکر عن قریب تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم مان لو گے۔“ لوگوں نے جواب دیا کہ ”ہاں مان لیں گے۔“ اس کے بعد آپ نے اپنی دعوت پیش فرمائی کہ ”میں تمہیں ایک سخت عذاب سے خبردار کرتا ہوں۔“ (بخاری، مسلم)

یہاں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے پہلے ہی دن اپنی دعوت اور پیغام تمام انسانوں کے لیے پیش فرمایا۔ دوسرا اہم بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے عرب سماج میں پائی جانے والی براہیوں کے خاتمے اور سماج کی اصلاح کے لیے الگ الگ تحریک نہیں چلائی، بلکہ بندگی رب کی ایک ہی دعوت پیش فرمائی۔

دعوت کی مخالفت

آپ نے دعوت دی کہ ایک اللہ کی بندگی کرو اور کسی دوسرے کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو۔ لوگوں کے خیال کے مطابق، یہ دعوت باپ دادا کے مذہبی تصورات کے خلاف تھی۔ اس دعوت کوٹھی بھر لوگوں نے تو قبول کر لیا، لیکن بڑی تعداد نے اس کی مخالفت شروع کر دی۔ حضرت محمد ﷺ نے خود بھی صبر کیا اور اپنے ماننے والوں کو بھی بے مثال صبر کی تلقین کی، لیکن مخالفت میں شدت پیدا ہوتی چلی گئی۔ آپ کے ساتھیوں کو انگاروں پر لٹایا جاتا، کوڑوں سے پیٹا جاتا اور مختلف طریقوں سے ان کو ظلم و ستم کا شکار بنایا جاتا۔ ازمات اور جھوٹ پروپگنڈے کی ایک زبردست فضابنادی گئی، یہاں تک کہ ایک گھاٹی میں تین سال تک آپ کے ساتھیوں اور اہل خاندان کا

سماجی بائیکاٹ کیا گیا۔

حضرت محمد ﷺ اور ان کے ساتھی ایک گھانی میں محصور کر دیے گئے۔ معصوم نبچے ماں کی چھاتیوں میں دودھ نہ ہونے کی وجہ سے بلکہ بلکہ کروتے تھے۔ لیکن مخالفین گھانی کے کناروں پر کھڑے ہو کر قہقہے لگاتے اور انھیں ذرا بھی رحم نہیں آتا تھا۔ تین سال کے بعد بعض انسانی ہمدردی رکھنے والوں کی کوششوں سے اس گھانی سے رہائی نصیب ہوئی۔ لیکن مکہ میں مخالفت کم نہیں ہوئی، بلکہ اس میں دن بہ دن شدت پیدا ہوتی چلی گئی۔

طاائف کا سفر

حضرت محمد ﷺ اپنے ایک ساتھی کو لے کر طائف کے سفر پر روانہ ہوئے۔ طائف کی بستی مکہ سے ۸۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ وہاں کے سرداروں کے سامنے آپ نے دعوت پیش فرمائی۔ انہوں نے آپ کی دعوت بقول نہیں کی اور آپ کے ساتھ بہت برا سلوک کیا۔ انہوں نے کچھ ادباؤں کو آپ کو ستانے کے لیے لگادیا۔ انہوں نے آپ پر اتنے پھر بر سائے کہ آپ لہو لہان ہو گئے۔ آپ کے جو توں میں خون جم گیا۔ یہ بڑا دردناک واقعہ تھا۔

حضرت محمد ﷺ کی یہ تمام دعوتی کوششیں انسانوں کی ہدایت و رہنمائی اور انھیں جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے تھیں۔ طائف سے پھر آپ مکہ کو واپس لوٹ گئے۔

ہجرت کا واقعہ

مکہ میں تیرہ سال تک مظالم برداشت کرنے کے بعد اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ اب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں۔ مکہ میں جینا دو بھر ہو چکا تھا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو مدینہ جانے کا حکم دیا۔ آپ خود بھی ۲۲ء میں مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لے گئے۔ اس سفر کو ہجرت کہتے ہیں۔ مکہ سے ہجرت کی رات مدینہ روانگی کے موقع پر مکہ والوں کی قیمتی ا manusیں آپ کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ آپ نے ان تمام ا manusیوں کی بہ حفاظت واپسی کا انتظام فرمایا۔ ہجرت کے واقعہ کی تفصیلات بہت ایمان افروز ہیں۔ مگر یہاں اسی مختصر بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت محمد ﷺ مدینہ میں

حضرت محمد ﷺ مدینہ تشریف لائے۔ یہاں آپ کے پیروں کی ایک اچھی خاصی

تعداد پہلے سے موجود تھی انہوں نے آپ کا ساتھ دینے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ مدینہ میں یہودی قبائل بھی بستے تھے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے اسلام کے پیغام کو عام کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ مدینہ میں ایک سہولت یہ ہوئی کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک اسلامی سوسائٹی اور بذریعہ ایک اسلامی نظام قائم کرنے کی راہ کھل گئی۔ مکہ کے مخالفین نے آپ کو سکون کے ساتھ کام کرنے کا موقع نہیں دیا۔ انہوں نے منصوبے بنایا کہ لشکر تیار کیا اور مدینہ پر کمی بار حملہ آور ہوئے۔

حضرت محمد ﷺ کی امن پسندی اور انسانوں سے محبت کا ایک اہم ثبوت یہ واقعہ کہ مکہ میں شدید قحط پڑا آپ مدینہ میں تھے، مدینہ میں رقم جمع کر کے پانچ سو دینار قریش کے سردار ابوسفیان کے پاس بھجوائے، حالانکہ ابوسفیان اور مکہ والے آپ کے بڑے دشمن تھے۔

مدینہ میں یہودیوں سے آپ نے معاهدہ فرمایا۔ یہ معاهدہ امن اور مذہبی آزادی کا ضامن تھا۔ مدینہ میں اسلامی نظام کے سربراہی حیثیت سے آپ نے دوسرے نہب والوں یعنی یہودیوں کے بنیادی حقوق، ان کی مذہبی آزادی ان کی عبادت گاہوں کے احترام کا معاهدہ کیا۔ اسے بیانات میں نہ کہتے ہیں۔ البتہ یہودی ہمیشہ اس معاهدے کی خلاف ورزی کرتے رہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے وقتاً فوقاً سازشوں کے ذریعہ حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کے خلاف جنگی منصوبے بنائے۔

مدینہ قیام کے دور میں حضرت محمد ﷺ کو مکہ اور اطراف و اکناف کے قبائل اور یہودیوں سے جو چھوٹی بڑی جنگیں کرنی پڑیں ان کی تعداد ۸۲ ہے۔ ان میں ۲ جنگوں میں حضرت محمد ﷺ کی خود شرکت ہوئی۔ ان جنگوں میں مسلمانوں اور ان کے مخالفین کے ہلاک ہونے والوں کی کل تعداد ۱۰۱۸ ہے اور گرفتار ہونے والوں کی کل تعداد ۶۵۶۵ ہے۔

حضرت محمد ﷺ نے جنگ کے مقصد اور طریقوں کو اپنی اخلاقی تعلیمات کے ذریعہ انسانی اور تعمیری رخ دیا۔ انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال ہمیں ملتی۔ حضرت محمد ﷺ کی جنگ کے سلسلے میں اپنے ساتھیوں کو دی جانے والی درج ذیل ہدایات پر غور کریں۔

- بد عهدی نہ کرو۔
- دشمن کے ناک کا ناک اور دگر اعضا نہ کاٹو۔
- عورتوں، کم زوروں اور کم سن بچوں، بوڑھوں اور غلاموں کو قتل نہ کرو۔
- کسی کو آگ میں نہ جلاو۔

- باندھ کرنہ مارو
- کھیتی باڑی کوتباہ نہ کرو
- پچلدار درختوں کونہ کاٹو اور جانوروں کونہ ہلاک کرو
- سفیر ک قتل نہ کرو
- عبادت گا ہوں کونہ ڈھاؤ
- جو تھیار ڈال دے اسے قتل نہ کرو
- رات میں کسی دشمن کے پاس جاؤ تو صبح ہونے سے پہلے چھاپنہ مارو۔ (جہاد اسلامی باب: ۷۱، ص: ۲۲۲)

ان جنگوں میں فتح مکہ کو چھوڑ کر باقی میں آپ نے پہل نہیں کی، بلکہ اپنے اور مدینہ کے باشندوں کے دفاع کے لیے جنگ کی گئی۔ ایک موقع پر صلح حدیبہ کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ آپ اس معاهدہ میں ایسی شرائط ماننے کے لیے تیار ہو گئے، جن میں بظاہر مسلمانوں کی کم زوری ظاہر ہوتی تھی۔ اسی بنا پر آپ کے پیروں یعنی صحابہ پر یہ معاهدہ ناگوارگزرا تھا۔ اس کی ایک شرط یہ تھی کہ فریقین آپس میں دس سال تک جنگ نہیں کریں گے۔ یہ شرط آپ کی امن پسندی کا زبردست ثبوت ہے۔ مدینہ میں مسلسل کوششوں کے نتیجے میں بڑی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ یہاں تک کہ حضرت محمد ﷺ دس ہزار پیروں کی فوج کو لے کر مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔

فتح مکہ

دنیا کی تاریخ کا یہ عجیب و غریب اور بے مثال واقعہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے انسانوں کا خون بھائے بغیر مکہ کو فتح کیا۔ آپ نے اس کے لیے بہترین حکمت عملی اختیار کی۔ چند جانیں ضرور ہلاک ہوئیں، لیکن باضابطہ کسی لڑائی کی نوبت نہیں آئی اور آپ مکہ میں فتحانہ داخل ہوئے۔ اس وقت آپ کی زبان پر اللہ کی تعریف اور بڑائی کے کلمات جاری تھے۔ اونٹ پر آپ کا سرمبارک جھکا ہوا تھا۔ اس موقع پر آپ کی جانب سے درج ذیل اعلان کرایا گیا:

- جو شخص خانہ کعبہ میں چلا جائے اس کو امان ہے۔
- جو شخص ابوسفیان (سردار مکہ) کے گھر پہنچ جائے اس کو امان ہے۔

- جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، اس کو امان ہے۔ •
- جو شخص ہتھیار ڈال دے اس کو امان ہے۔ •
- بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔ •
- زنگی اور قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔ •

غور کریں کہ مکہ پر یہ کیسا حملہ تھا؟ مکہ یوں فتح کیا گیا کہ اس میں خون ریزی نہیں ہوئی۔

رحمت عالم کی رحمت کی یہ بہت بڑی مثال ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر بڑے بڑے سردار مغلوب اور حاضر تھے، انہوں نے مسلسل آپ سے دشنی کی تھی، آپ پر اور آپ کے اصحاب پر بے پناہ مظالم ڈھائے تھے، بے گناہ لوگوں کو قتل کیا تھا، گھروں اور جاندلوں پر قبضہ کیا تھا، لوٹ مار کی تھی۔ یہ سب جنگی مجرم تھے۔ اگر ان کو قتل کرنے کا آپ حکم دیتے تو کسی بھی قانون کی رو سے وہ غلط نہ ہوتا۔ ان کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ سر جھکائے کھڑے تھے، آپ نے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

”جاو، آج تم سب آزاد ہو، آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔“

کیا تاریخِ انسانیت میں ایسی کوئی مثال ملتی ہے۔

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسِّلِّمْ۔

وفات

حضرت محمد ﷺ کی وفات ۶۳۲ء میں ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی۔ آپ نے کوئی سامان و راثت میں نہیں حچھوڑا۔ وفات سے ذرا پہلے ساڑھے سات کیلوجو کے عوض آپ کی زرہ رہن میں رکھی ہوئی تھی۔ وفات کے موقع پر آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے: نماز، نماز، لونڈی اور غلام۔

ہم کتنے ہی مذہبی رہنماؤں کو دیکھتے ہیں کہ وہ کروڑوں کے جائیداد کے مالک ہوتے ہیں، لیکن حضرت محمد ﷺ کی وراثت میں کوئی قابل ذکر چیز نہیں۔

آواگمن یا اسلام کا تصوّر آختر

ہمارے وطنی بھائیوں اور بہنوں کا موت کے بعد زندگی کے متعلق مقبول خیال آواگمن کا عقیدہ ہے۔ اس کا ایک علمی اور تحقیقی جائزہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

موت ایک ایسی حقیقت ہے جسے آج تک کسی نے نہیں جھٹلایا۔ موت کے بعد زندگی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ کیسی ہوگی؟ کیا وہ ہمیشہ کی زندگی ہوگی؟ وہاں کام یابی پانے کے لیے اس دنیا کی زندگی میں کیا کرنا ہوگا؟ موت کے بعد زندگی نہیں ہے تو کیا یہ دنیوی زندگی ہی انسان کی آخری منزل ہے اور موت اس زندگی کا خاتمہ کر دیتی ہے؟

موت کے بعد کیا ہوگا؟ اسے مشاہدہ یا تجربہ یا کسی اور طریقے سے معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ انسان لوگوں کو مرتبے ہوئے دیکھتا ہے اور یہ بھی دیکھتا ہے کہ مر کر جانے والا کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔ وہ خود بھی ایک دن مر جاتا ہے۔ لیکن معلوم نہیں کہ سلتا کہ موت کے بعد لوگ کہاں جاتے ہیں؟ جہاں جاتے ہیں وہاں کب تک رہیں گے؟ یہ محض فلسفیانہ سوال نہیں، علمی یا اکیڈمیک مسئلہ نہیں بلکہ ہر انسان کی ابدی کام یابی اور ناکامی کا مسئلہ ہے۔ یہ اتنا اہم مسئلہ ہے کہ انسان اس کو دوسروں کا مسئلہ کہہ کر ثالث نہیں سکتا۔ فرض کیجئے، موت کے بعد کوئی زندگی قطعاً نہیں ہے۔ نہ عارضی اور نہ ابدی۔ اس صورت میں انسان کو موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں سوچنے کی ضرورت ہے نہ کچھ کرنے کی۔ جو کچھ ہے وہ صرف اس دنیا کی زندگی ہے اور یہاں کی کام یابی اور ناکامی آخری چیز ہے۔ لیس اسی کو سامنے رکھ کر انسان اپنی زندگی بس رکرے گا۔ لیکن اگر موت کے بعد زندگی ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے ہوگی تو وہاں کام یابی حاصل کرنے کے لیے دنیوی زندگی میں کچھ کرنا ہوگا، مبنی بر حق عقائد، اصول، احکام اور ضابطوں کو تسلیم کر کے ان کے

مطابق طریقہ عمل اختیار کرنا ضروری ہوگا۔ کسی نے ان سب کو تسلیم کیے بغیر زندگی بسر کی ہوگی تو اسے موت کے بعد زبردست ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ سب سے بڑی محرومی اور بد نصیبی ہوگی۔ موت کے بعد زندگی کو نہ ماننے والے اتنی بات یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ موت کے بعد کیا ہوگا؟ ہم نہیں جانتے، لیکن وہ نہیں کہہ سکتے کہ ہاں ہم جانتے ہیں کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں قدیم دور سے درج ذیل

تصورات پائے جاتے ہیں۔

ایک تصور یہ ہے کہ زندگی اور موت جو کچھ ہے، بس اسی دنیا کی حد تک ہے۔ یعنی جو انسان مر گیا وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ لہذا کام یابی اور ناکامی دونوں کا تعلق اسی دنیا سے ہے۔ اعمال کی باز پرس، آخرت، جنت اور جہنم فی الواقع کوئی چیز نہیں۔ اسی لیے انسان کو اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنی چاہیے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کرنی چاہیے۔ یہ خیال رکھنے والے لوگ کچھ زیادہ نہیں ہیں۔

ایک دوسرا تصور یہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد کرمون (اعمال) کی بنیاد پر اچھا یا برا جسم (یونی) لے کر دنیا میں نیا جنم پائے گا۔ روح مرتی نہیں ہے۔ انسان کو اپنے اعمال کا نتیجہ جھلتنا ہی پڑتا ہے۔ پیدائش، موت اور پھر اس کے بعد پیدائش کا یہ سلسلہ مسلسل جاری رہتا ہے۔ ۸۳ لاکھ قالب (یونیوں) کو انسان اختیار کرتا ہے اور آخر میں اچھا انسان بن کر پیدا ہوتا ہے، پھر اس چکر سے اسے نجات ملتی ہے یا نجات کی یہ صورت بنتی ہے کہ آتما جا کر پر ماہما میں مل جاتی ہے۔ اس تصور کے مطابق موت کے بعد مسلسل پیدائش اور پھر موت کے اس چکر میں انسان کرمون (عمل) کی بنیاد پر ایک دوسرے انسان، جانور، پیڑیا کیڑے کوٹرے وغیرہ کسی بھی قالب میں پیدا ہو سکتا ہے۔ یہاں کی آبادی کی اکثریت کا خیال ہے۔

تیسرا تصور یہ ہے کہ حضرت آدم سے جنت میں ایک گناہ ہو گیا۔ اس گناہ کا داغ پیدا ہونے والے ہر پچے کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ بھی انسان سے زندگی میں گناہ ہوتے ہیں۔ موت کے بعد زندگی یقیناً ہے اور وہاں نجات اور کام یابی کی صورت یہ ہے کہ یسوع (Jesus) یعنی حضرت عیسیٰ۔ خدا کے پیغمبر کو خدا کا بیٹا ہونے اور خود خدا ہونے کی حیثیت سے مانا جائے۔ نیز

تمام انسانوں کے گناہوں کے کفارے کے طور پر سولی پر چڑھائے جانے پر ایمان لا یا جائے۔ موت کے بعد کی زندگی میں یہی نجات کا واحد راستہ ہے۔ یہ تصور عیسائیت پیش کرتی ہے۔ ایک تصور اسلام دیتا ہے۔ وہ یہ کہ دنیا کی زندگی آزمائشی اور عارضی ہے، لیکن موت کے بعد ایک اور زندگی ہوگی، جو ہمیشہ کے لیے ہوگی۔ انسان کو یہاں امتحان کے لیے رکھا گیا ہے۔ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ انسان صحیح عقیدہ اور صحیح اعمال اختیار کر کے نیکیوں کی جو فصل بولے گا، آخرت میں اس کا بدلہ جنت کی شکل میں پائے گا۔ باپ کی غلطی کی سزا اولاً کو نہیں دی جائے گی۔ ہر شخص اپنے اچھے برے اعمال کے لیے خود ذمہ دار ہوگا۔ کوئی انسان دوسرے انسانوں کے اعمال کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ موت فنا کا نام نہیں ہے، بلکہ دنیا اور موت سے گزر کر ہی انسان آخرت کا ابدی سفر اختیار کرتا ہے۔ آخرت کی زندگی کا نظام دنیا کے طبعی اصولوں سے منتفہ ہوگا۔ آخرت اس لیے ضروری ہے کہ دنیا میں عدل و انصاف کے قاضی مکمل طریقے سے پورے نہیں ہو رہے ہیں۔ کتنے ہی مجرم، مفسد اور شریروں صاف فتح نکلتے ہیں یا پوری سزا نہیں پاتے۔

آخرت اس لیے بھی ضروری ہے کہ خدا نے کائنات کے اندر ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔ جوڑا اپنے جوڑے سے مل کر ایک مقصد کو پورا کرتا ہے اور کوئی نتیجہ نکلتا ہے۔ مثلاً دھوپ اور چھاؤں، رات اور دن، اندھیرا اور اجالا اورغیرہ۔ اسی طرح دنیا کا جوڑا آخرت ہے۔ آخرت کے بغیر دنیا بے مقصد، بے نتیجہ اور اندر ہیرنگری چھوپت راجا کے مصدق ہوگی۔

ایک پہلو اور بھی ہے۔ خدا نے انسان کو دنیا میں نعمتوں اور اختیارات اور محمد و آزادی سے نوازا ہے۔ ایک دن ضرور ایسا آنا چاہیے کہ جب ان سب کے متعلق اس سے سوال ہو کہ اس نے ان سب کا استعمال اللہ کے حکم کے مطابق کیا، یا اس کی مرضی اور اس کے حکم کے خلاف استعمال کر کے اس سے غداری اور نافرمانی کرتا رہا۔

جدید سائنس بتاتی ہے کہ یہ دنیا بہ تدریج اپنے خاتمے کی طرف بڑھ رہی ہے، اسلام میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ایک خاص وقت پر قیامت واقع ہو جائے گی۔ اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ پورا نظام ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔ اس کو قیامت کہا گیا ہے۔ اس کے بعد مرے ہوئے انسان دوبارہ اللہ کے حکم سے جی اٹھیں گے اور ان کے تمام اعمال کا حساب کتاب ہوگا۔ جو لوگ اللہ

پر ایمان رکھتے تھے اور اس کے احکام پر عمل کر کے پوری زندگی میں اس کے وفادار تھے، وہ جنت میں جائیں گے اور جنہوں نے اللہ سے بغاوت کی ہو گئی وہ جہنم کی آگ میں ڈالے جائیں گے۔

جدید سائنس کہتی ہے کہ دنیا میں ہر انسان کی تمام حرکات و سکنات اور گفتگو وغیرہ فضا میں محفوظ رہتی ہے۔ اس کو ریکارڈ کیا جاسکتا ہے۔ اسلامی تصور کی اہمیت اور صداقت کا یہ پہلو اہم ہے کہ جدید سائنس اس کی تائید کرتی ہے۔ اس کے علاوہ انسانی تاریخ ناقابل تردید ثبوت پیش کرتی ہے۔ یعنی پیغمبروں اور نبیوں نے موت کے بعد ایک ہمیشہ کی زندگی کی خبر دی ہے۔ یہ نبیاء اور پیغمبر نہایت ہی سچے اور پاکیزہ کردار کے انسان تھے۔ اپنی پوری زندگی میں انہوں نے کبھی ایک بار بھی جھوٹ بات نہیں کہی۔

ہندو دھرم کی بنیاد چار ویدوں پر ہے۔ ان میں آواگمن کا نظریہ نہیں پایا جاتا۔ بلکہ موت کے بعد زندگی اور جنت و جہنم کا تصور پایا جاتا ہے۔ مختلف قسم کے گناہوں کی سزا میں، مختلف ناموں کے جہنم میں دی جائیں گی۔ ویدوں میں پتلوک کا تذکرہ بھی ملتا ہے، جسے عالم برزخ کہا جاسکتا ہے۔ یعنی موت کے بعد قیامت تک انسانوں کا دوبارہ زندہ ہونا، حساب و کتاب اور جزا اسرا نیز فیصلہ ہونے تک برزخ کے عارضی مرحلہ کا تذکرہ اپنیش، مہابھارت اور گیتا وغیرہ میں موجود ہے۔ گیتا میں آخرت اور آواگمن دونوں کا تذکرہ ہے۔ ان دونوں متضاد باتوں میں کس

بات کو صحیح مانا جائے۔ کس بات کو قبول کیا جائے اور کس کا انکار کیا جائے؟

آواگمن پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں:

۱- کائنات میں سب سے پہلے کس کی تخلیق ہوئی؟ اگر انسان کی، تو یہ انسان کن کے اعمال کے نتیجے میں پیدا ہوئے؟ اگر یہ کہا جائے کہ انسان سے پہلے کائنات میں حیوانات، نباتات وغیرہ پہلے پیدا ہوئے تو یہ کن اعمال کے نتیجے میں ہوا؟

۲- ویدشاستروں کی رو سے انسان سے پہلے وہ مخلوقات پیدا ہوئیں جن کو انسانی گناہوں کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے یعنی نباتات، حیوانات اور پرندے وغیرہ پہلے پیدا ہوئے اور انسان بعد میں پیدا ہوا۔ ویدشاستر ہی انسان کو بتاتے ہیں کہ اچھے اعمال کون سے ہیں، جس کے نتیجے میں اچھے جنم میں گے اور بُرے اعمال کون سے ہیں جن کی وجہ سے بُرے جنم میں گے؟

سوال یہ ہے کہ کیا جزا اوسرا کے احکام و قوانین، یعنی وید شاستر دیے جانے سے پہلے ہی ان مخلوقات کو سزادے دی گئی۔

۳- آواگمن کی رو سے گناہ اور پاپ ضروری قرار پاتا ہے۔ کیوں کہ اس کے بغیر انج اور سبزی، پھل، پھول اور پیڑ پودے اگ نہیں سکتے۔ ایک عجیب و غریب پھلواس کا یہ بھی ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں انسان کو سبزیاں پھل پھول وغیرہ استعمال نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ پتہ نہیں، پچھلے جنم میں کسی نہ کسی انسان کی روح اس میں بسی ہو گی جو اس جنم میں سبزی پھل پھول وغیرہ بن گئے۔ آواگمن کی رو سے کسی مصیبت زدہ یا پریشان حال کی مدد نہیں کرنی چاہیے۔ بھوکوں کو کھانا کھلانا، بیماروں کی تیارداری کرنا، نگنوں کو لباس فراہم کرنا، غرض انسانوں کی خدمت کا کوئی کام نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ یہ لوگ پچھلے جنم کے گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں۔ وہ اپنی پوری سزا بھگتیں۔

۴- انسان عقل و شعور، قوت گویائی اور فکر و عمل کی آزادی اور اختیار رکھتا ہے۔ نیکی اور بدی، بھلائی اور برائی، صحیح اور غلط کی تمیز بھی رکھتا ہے۔ یہ خصوصیت انسان کے علاوہ کسی بھی دوسری مخلوق میں نہیں پائی جاتی۔ لیکن انسان گناہوں کی وجہ سے جانور، کیڑا اور سبزی پھل پھول بن جاتا ہے۔ تو پھر اس قالب میں نیکی اور بدی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سب مجبور ہیں۔ قدرت نے جو کام ان کے ذمہ پر دیکیا ہے اور جو اصول ان کے جینے مرنے کے لیے طے کیے ہیں، سب کچھ اسی کے مطابق ہو رہا ہے۔ انسان کے علاوہ ساری مخلوقات اپنی آزادانہ مرضی، پسند اور اختیار سے بھلا کیا برا کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ انھیں موش یا مکتی کی تلاش کا مسئلہ درپیش نہیں ہے۔

۵- اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آواگمن یعنی انسان کی پیدائش اور موت کے چکر میں خدا کا کوئی رول یا اس کا داخل ہے ہی نہیں۔ علاوہ ازیں وہ خدا بھی ایسا ہے جو بندوں سے گناہ سرزد ہونے پر معاف کرنا اور عفو در گزر سے کام لینا جانتا ہی نہیں، بلکہ آواگمن کے اس چکر میں وہ خود بھی یہ لس نظر آتا ہے۔

غرض یہ کہ آواگمن کا یہ عقیدہ عقل و دلیل کی کسی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔ یہ غیر فطری ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہندو دھرم میں باہر سے لاکر شامل کیا گیا ہے۔ وید اس کے تذکرے سے خالی ہیں اور مشہور ہندو مندھی رہنماء سے تسلیم نہیں کرتے۔

جنت اور جہنم کے مناظر

پچھلے صفحات میں یہ بات بتائی جا پچی ہے کہ انسان کی موت کے بعد اس کے لیے ہمیشہ کی زندگی مقرر ہے۔ وہاں اس کے لیے دو میں سے ایک ہی ٹھکانہ ہو گا، یعنی جنت یا دوزخ! ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے، لیکن انسان کی موت کا مطلب پھل پھول، پودے یا کثیر امکوڑا اور حیوانات کی موت نہیں ہے۔ انسان کے علاوہ جتنے بھی جاندار ہیں، ان کی موت ان کا قطعی اور ہمیشہ کے لیے خاتمه ہے۔ اپنے مقصد وجود کو پورا کرنے کے بعد ان کو موت آتی ہے۔ اس اعتبار سے ان کی زندگی اور وجود دونوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمه ہو جاتا ہے۔ لیکن انسان کے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ موت کے بعد اس کی ہمیشہ کی زندگی کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ یہ زندگی دار الحمل، آزمائشی اور امتحان کا عرصہ ہے۔ یہ زندگی ایک خدا کو ان کراس کے احکام اور مرضی پر چلنے اور اس کے رسول کی کامل پیروی اختیار کرنے کے لیے عطا کی گئی ہے۔ قرآن میں دلائل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ ایک وقت مقرر پر قیامت برپا ہوگی۔ دنیا کا یہ نظام ختم ہو جائے گا۔ ایک نیا عالم اور نیا نظام یہاں سے مختلف اصولوں کے ساتھ بنایا جائے گا۔ تمام انسان اللہ کے حکم سے دوبارہ پیدا کیے جائیں گے۔ تمام انسانوں کے ایمان اور اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ یہ انسان کے اصلی اور آخری امتحان کا نتیجہ ہو گا۔ اس امتحان میں جو کام یا ب ہوں گے وہ جنت میں اور جو ناکام ہوں گے وہ جہنم میں بھیج دیے جائیں گے۔

قیامت

اس سلسلے میں قیامت، جنت اور جہنم کے مناظر سے متعلق قرآن کی درج ذیل آیات پر غور کریں:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ طَ وَإِنَّ
السَّاعَةَ لَأَتِيهَا
(الجبر: ۸۵)

”اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو ایک مقصد ہی سے پیدا کیا ہے اور یقیناً فصلے کی گھڑی
آکر رہے گی۔“

أَيُحَسِّبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتَرَكَ سُدًى ط
(القيمة: ۳۶)
”کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔“

قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ قُلْ يُحْيِيهَا الدَّى أَنْشَاهَا
أَوَّلَ مَرَّةٍ ط وَهُوَ بُكْلٌ خَلْقٌ عَلِيمٌ ط
(یتین: ۷۸، ۷۹)

”کہنے لگا: کون ہے جو ہڈیوں کو زندگی بخشنے گا، جب کہ وہ گل کر خاک ہو جکی ہوں گی۔
کہہ دیجئے: ان کو وہی زندگی بخشنے گا، جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور اسے ہر طرح
کے پیدا کرنے کا پورا پورا علم ہے۔“

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَهَا ط قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ
رَبِّكَ لَا يُحَلِّيَهَا لَوْقَتُهَا إِلَّا هُوَ طَنَّلَثُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ط
لَا تَأْتِيْكُمْ إِلَّا بَعْثَةً ط
(الاعراف: ۱۸۷)

”یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی؟ ان سے کہیے کہ اس کا علم تو
میرے رب ہی کو ہے۔ اپنے وقت پر اس کو وہی ظاہر کرے گا۔ وہ آسمانوں اور زمین
میں ایک بھاری بوجھ بنی ہوئی ہے۔ وہ آئے گی تو اپا نکھلی آجائے گی۔“

قیامت کا منظر

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ لَوَإِذَا الْكَوَافِرُ اِنْتَشَرَتْ لَوَإِذَا الْبَحَارُ
فُجَرَتْ لَوَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ط عَلِمْتَ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ
وَأَخَرَتْ ط
(الأنفطر: ۱۵)

”جب آسمان پھٹ جائے گا، جب تارے ہٹھ پڑیں گے، جب سمندر ابلکھیں گے

اور جب قبریں اکھڑ پڑیں گی، اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ کیا اس نے بھیجا ہے اور کیا پیچھے چھوڑ کر آیا ہے۔“

يَسْأَلُ إِيَّانِ يَوْمُ الْقِيمَةِ فَإِذَا بَرِقَ الْبَصْرُ لَا وَخَسَفَ
الْقَمَرُ لَا وَجْمَعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا يَقُولُ إِلَى إِنْسَانٍ يَوْمَئِذٍ
أَيْنَ الْمَفْرُجُ كَلَّا لَا وَزَرَطٌ إِلَى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ بِالْمُسْتَقْرُطِ يُنْبُوا
إِلَى إِنْسَانٍ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَآخَرَهُ (القيمة: ۲۳ تا ۲۴)

”پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا؟ تو جب آنکھیں بنے نور ہو جائیں گی، چنان
اپنی روشنی کھودے گا اور سورج اور چاند باہم ٹکرایاں گے۔ اس وقت انسان کہے گا:
کہاں بھاگ جاؤ؟ کچھ نہیں کہیں پناہ نہیں۔ اس روز پر وردگاری کے پاس ٹھکانا ہے۔
اس دن انسان کو بتا دیا جائے گا کہ کیا اس نے آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑ کر آیا ہے۔“

إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا لَا وَنَرُهُ قَرِيبًا لَا يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِلُ
وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعَهْنُ لَا وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا
يُصْرُونَهُمْ يَوْدُ الْمُجْرُمُ لَوْيَقْتَدِي مِنْ عَذَابٍ يَوْمَئِذٍ
بِبَنِيهِ لَا وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ لَا وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُنْوِيهِ لَا وَمَنْ فِي
الْأَرْضِ جَمِيعًا لَا ثُمَّ يُنْجِيْهِنَّ كَلَّا إِنَّهَا لَظَيِّ لَا (المعارج: ۱۵ تا ۱۶)

”لوگ (قیامت کو) دور دیکھ رہے ہیں اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔ جس دن کہ
آسمان ایسا ہو جائے گا جیسے کچھلا ہوا تابے۔ اور پہاڑ ایسے ہوں گے جیسے دھکی ہوئی
روئی اور کوئی جگری دوست اپنے جگری دوست کو نہیں پوچھے گا، حالاں کہ وہ ایک
دوسرے کو سامنے دیکھ رہے ہوں گے۔ اس دن محروم چاہے گا کہ کاش سب کچھ دے کر
آن کے عذاب سے نجات پہنچ جاؤ۔ اپنے بیٹی، اپنی بیوی، اپنے بھائی اور اپنا پورا کنبہ،
جس میں وہ رہتا تھا اور وہ تمام لوگ جو زمین پر رہتے اور رہتے ہیں، غرض سمجھی کو دے کر
عذاب سے نجات پا جائے۔ نہیں یہ ہرگز ممکن نہیں!“

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زُلْزَالَهُ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا

وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا حَيْوَمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا طَبَانَ رَبَّكَ
أَوْحَى لَهَا طَبَانٌ يَوْمَئِذٍ يَصُدُّرُ النَّاسُ أَشْتَاتَاهُ لَيُرَوُا أَعْمَالَهُمْ طَ
فَمَنْ يَعْمَلُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ طَبَانٌ وَمَنْ يَعْمَلُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ
شَرًّا يَرَهُ طَبَانٌ (النَّازِل: ۱۷)

”جب زمین اپنی پوری شدت کے ساتھ ہلاڑائی جائے گی، اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ نکال کر باہر ڈال دے گی اور انسان کہے گا: یہ اس کو کیا ہو رہا ہے؟ اس روز وہ اپنے اوپر گزرے ہوئے حالات بیان کرے گی، کیوں کہ تیرے رب نے اسے (ایسا کرنے کا) حکم دیا ہوگا۔ اس روز لوگ متفرق حالت میں پیش گے، تاکہ ان کے اعمال ان کو دکھائے جائیں۔ پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔“

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاحَّةُ طَبَانٌ يَوْمَ يَفْرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ طَبَانٌ وَأُمِّهِ طَبَانٌ
وَصَاحِبِهِ وَبَنِيهِ طَبَانٌ لِكُلِّ امْرِيٍّ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَانٌ يُعْنِيهِ طَبَانٌ

(عبس: ۳۳ تا ۳۷)

”آخر کارج بہ کان بہرے کر دینے والی آواز بلند ہوگی، اس روز آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ ان میں سے ہر شخص پر اس دن ایسا وقت آپڑے گا کہ اسے اپنے سوکسی کا ہوش نہ ہوگا۔“

قرآن میں جنت کے مناظر

قرآن مجید میں جنت کے مناظر کا ایک نقشہ درج ذیل آیات پیش کیا گیا ہے:

وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا طَبَانٌ عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ
سُنْدُسٌ خُضْرُوَ اسْتَبْرِقٌ وَحُلُوَ اسَاوَرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقْهُمْ
رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُمْ
مَشْكُورًا طَبَانٌ (المدح: ۲۰ تا ۲۲)

”اور جنت میں جدھر نگاہ اٹھاؤ، نعمتوں کی کثرت اور بڑی سلطنت کا سروسامان تھیں نظر آئے گا۔ ان (جنیوں) کے جسموں پر سبز دیبا اور اطلس کی پوشائیں ہیں اور انھیں چاندی کے کنگن پہنانے گئے ہیں اور ان کا پروردگار ان کو نہایت پاکیزہ شراب پلاتا ہے۔ یہ تمہارے کیے کا صلہ ہے اور تمہاری کوششیں (خدکے بیہاں) مقبول ہوئیں۔“

مَثُلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَقْوُنَ طَفِيلًا آنَهُرِ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ أَسِنٍ^ج
وَآنَهُرِ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَغْيِرْ طَعْمُهُ^ج وَآنَهُرِ مِنْ حَمْرَ لَذَّةِ لِلشَّرِبِ بِينَهُ^ج
وَآنَهُرِ مِنْ عَسَلٍ مُصَفَّى طَوَّلُهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الشَّمَرِتِ وَمَغْفِرَةً
مِنْ رَبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَعَ
أَمْعَاءَ هُمُ^ج (محمد: ۱۵)

”جس جنت کا متقویوں سے وعدہ کیا گیا ہے، اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں پانی کی ایسی نہبریں ہیں جن کا مزہ کبھی نہیں بدلتا اور شراب کی نہبریں ہیں جو پینے والوں کے لیے لذت ہی لذت ہے اور شہد کی نہبریں ہیں جو صاف کیا ہوا خالص ہے اور ان کے لیے جنت میں ہر قسم کے میوے ہیں اور ان کے پروردگار کی جانب سے مغفرت ہے۔“

يَعْبَادُ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ^ج الَّذِينَ
أَمْنُوا بِاِيمَانِهَا وَكَانُوا مُسْلِمِيْنَ^ج اُذْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَآذْرَأْجُوكُمْ
تُحْبَرُوْنَ^ج يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصَحَافٍ مِنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ^ج
وَفِيهَا مَاتَشْتَهِيْهُ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ^ج وَأَنْتُمْ فِيهَا خَلِدُوْنَ^ج
وَتَلَكَ الْجَنَّةُ الَّتِي اُرْتَثُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ^ج لَكُمْ
فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا تَأْكُلُوْنَ^ج (الخرف: ۲۸ تا ۳۷)

”اس روز ان لوگوں سے، جو ہماری آیات پر ایمان لائے تھے اور مطیع و فرمان بن کر رہے تھے، کہا جائے گا کہ اے میرے بندو! آج تمہارے لیے کوئی خوف نہیں اور نہ تھیں کوئی غم لاحن ہوگا۔ داخل ہو جاؤ جنت میں، عزت و احترام کے ساتھ، تم بھی اور تمہاری بیویاں بھی۔ ان پرسوں کی پرچوں اور پیالیوں کا دور چلے گا اور وہاں جس چیز کا بھی چاہے گا اور

جو آنکھوں کو بھائے گا وہ موجود ہو گا اور جنت والوں اب تم جنت میں ہمیشہ رہو گے اور یہ جنت، جو تمہاری لکیت میں دی گئی ہے، تمہارے کیے ہوئے نیک اعمال کا صلہ ہے۔
وہاں تمہارے لیے کثرت سے ہر نوع کے میوے ہیں، جنہیں تم کھاتے ہو۔“

وَالَّذِينَ آمُوا وَأَتَّبَعُتُهُمْ دُرِيَّتُهُمْ بِإِيمَانِ الْحَقْنَابِهِمْ دُرِيَّتُهُمْ
وَمَا أَتَنَّهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ طُكُلُّ امْرِيٌّ بِمَا كَسَبَ
رَهِيْنُ ۝
(الطور: ۲۱)

”جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اولاد بھی کسی درجے میں ان کے نقش قدم پر چلی ہے، ان کی اس اولاد کو بھی ہم جنت میں ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں کوئی گھٹا ان کو نہ دیں گے۔“

احادیث میں جنت کے مناظر

نبی کریم ﷺ نے جنت کے مناظر پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:
”ایک پکارنے والا اہل جنت کو مخاطب کر کے پکارے گا کہ یہاں تم صحبت مندر ہو گے، کبھی پیار نہ ہو گے، زندہ رہو گے، تمہیں کبھی موت نہ آئے گی۔ جوان رہو گے، کبھی تم پر بڑھا پا طاری نہ ہو گا۔ عیش و آرام میں رہو گے، کبھی بختی اور دکھ نہ دیکھو گے۔“ (مسلم)

”جنت میں ایک کوڑا رکھنے کے برابر جگہ دنیا و مفہما سے بہتر ہے۔“ (بخاری، مسلم)
ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے کوڑے کی جگہ کمان رکھنے کے برابر جگہ کا ذکر فرمایا ہے۔ یعنی جنت میں کسی کو کمان رکھنے کے برابر بھی جگہ نصیب ہو جائے تو وہ پوری کائنات سے بہتر ہے۔

”جب جنتی جنت میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: کیا تمہیں کوئی اور چیز چاہیے؟ وہ عرض کریں گے: اے اللہ! کیا تو نے ہمارے چہرے روشن نہیں کیے؟ کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا؟ کیا تو نے ہمیں آگ سے نجات نہیں دلائی؟ (اور کیا چاہیے) پھر اچانک پر دھاٹھ جائے گا اور جنتیوں کو اپنے رب کی طرف دیکھنا ہر اس چیز سے زیادہ محبوب لگے گا جو انہیں جنت میں دی گئی تھی۔“ (مسلم)

جہنم (دوزخ) کے مناظر

جہنم کے مناظر کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيهَا وَلَا يَحْيِيٌ^۵
(ط: ۷۳)

”یقینت ہے کہ جو بھی اپنے رب کے حضور مجرم بن کر حاضر ہوگا، اس کے لیے جہنم ہے، جس میں وہ نہ بچے گا اور نہ مرے گا۔“

هذِنِ خَصْمِنِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِعُتْ
لَهُمْ شَيَابٌ مِنْ نَارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ^۶
يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ وَلَهُمْ مَقَامٌ مِنْ
حَدِيدٍ^۷ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ خَمْ أُعِيدُوا فِيهَا
وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ^۸
(آل ۱۹: ۲۲۳)

”پس انکار کرنے والوں کے لیے آگ کے کپڑے کاٹے جائے گی۔ ان کے سروں پر کھوتا پانی امڑیا جائے گا، جس سے ان کی کھالیں ہی نہیں، پیٹ کے اندر تک کے حصے گل جائیں گے اور ان کی خبر لینے کے لیے لو ہے کے گز ہوں گے۔ جب کبھی وہ گھبرا کر جہنم سے نکلنے کی کوشش کریں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیے جائیں گے۔ چکختے رہو اب جلنے کی سزا کا مزرا۔“

فَمُنْهِمُ مَنْ أَمَنَ بِهِ وَمُنْهِمُ مَنْ صَدَّعْنَاهُ وَكَفَى بِجَهَنَّمَ
سَعِيرًا^۹ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سُوقَ نُصْلِيهِمْ نَارًا طَكَّلَمَا
نَضَجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَلَنُهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيُذُوقُوا العَذَابَ طَ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا^{۱۰}
(النساء: ۵۵، ۵۶)

”اور منہ موڑنے والوں کے لیے بس جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہی کافی ہے۔ جن ا لوگوں نے ہماری آیات کو مانتے سے انکار کیا ہے، انھیں بالیقین آگ میں جھوکنیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسرا کھال پیدا کر دیں گے،

تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں۔ اللہ بڑی قدرت رکھتا ہے، اپنے فیصلوں کو عمل میں لانے کی حکمت خوب جانتا ہے۔“

مَا أَغْنِيَ عَنِّي مَالِهِ حَلَكَ عَنِّي سُلْطَنِيَةَ حُدُودُهُ فَغُلُوْهُ لَهُ
ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُوْهُ لَهُ ثُمَّ فِي سُلْسِلَةِ ذَرْعَهَا سَبْعُونَ ذَرَاعًا
فَاسْلُكُوهُ لَهُ إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيْمِ لَهُ وَلَا يَحْضُ عَلَى
طَعَامِ الْمُسْكِيْنِ لَهُ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هُلُنَا حَمِيْمٌ لَهُ وَلَا طَعَامٌ لَهُ
مِنْ غِسْلِيْنِ لَهُ لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَطِيْئُونَ^۵ (الحاقة: ۳۷ تا ۴۸)

”آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، میرا سارا قدر اختم ہو گیا۔ (حکم ہوگا) کچڑو سے اور اس کی گردان میں طوق ڈال دو، پھر اسے جہنم میں جھونک دو، پھر اس کو ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔ یہ اللہ بزرگ و برتر پایمان لاتا تھا اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ لہذا آج نہ یہاں اس کا کوئی یارغم خوار ہے اور نہ زخموں کے دھون کے سوا اس کے لیے کوئی کھانا، جسے خطا کاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا۔“

جہنم سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”اہل دوزخ میں سب سے بلکہ عذاب والا وہ شخص ہو گا، جس کی چلپیں اور ان کے تیے آگ کے ہوں گے، جن کی وجہ سے اس کا دماغ اس طرح کھولے گا جس طرح دیکھی چوہلہ پر کھوتی ہے اور وہ یہ نہیں سمجھے گا کہ کوئی اس سے بڑھ کر عذاب میں ہے۔ حالاں تکہ وہ تمام اہل دوزخ سے بلکہ عذاب میں ہو گا۔“

(بخاری و مسلم)

”زقوم (جہنم میں پیدا ہونے والا درخت) دوزخیوں کی خوراک بنے گا۔ اگر اس کا ایک قطرہ اس دنیا میں ٹپک جائے تو زمین پر بیٹنے والوں کے سارے سماں زندگی کو خراب کر دے۔ پس کیا گزرے گی اس شخص پر جس کا کھانا وہی زقوم ہو گا۔“

کلمہ شہادت (اسلام کا بنیادی کلمہ)

اسلام کی بنیاد پیدائش، رنگِ نسل، خاندان اور زبان و علاقہ پر نہیں ہے۔ یہ ساری باتیں ایسی ہیں، جو انسان کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں۔ دنیا میں کوئی انسان اپنی مرضی پسند سے پیدا ہوتا ہے اور نہ کسی خاص رنگِ نسل یا زبان و علاقہ کو اختیار کر سکتا ہے۔ اس کی مرضی اور پسند کا کوئی دخل ان معاملات میں نہیں ہے۔

اسلام ایک فطری، عالمی اور انسانی مذہب ہے۔ اس لیے دنیا کا کوئی انسان، خواہ وہ کسی رنگِ نسل، خاندان اور علاقہ سے تعلق رکھتا ہو، اسلام میں داخل ہو سکتا ہے۔ بشرطے کہ اسے اسلام کی سچائی پر یقین ہو۔ قرآن مجید اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کے متعلق صحیح معلومات اس تک پہنچ چکی ہوں یا پہنچادی گئی ہوں۔ اسلام میں داخل ہونے کے لیے نیت کی درستگی اور پاکیزگی یعنی خلوص اور للہیت کی سب سے بڑھ کر اہمیت ہے۔ اگر کسی شخص نے محض کسی سے شادی کرنے کی نیت سے یا کسی مادی فائدے یا لالج کی بنابری کسی سے انتقام اور بدله لینے کے لیے قول حق کیا، تو ان سب صورتوں میں اندر یہ ہے کہ اللہ کی رضا سے حاصل نہ ہو۔

قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے زور زبردستی اور جبر و طاقت کا استعمال ناروادا ہے۔ صرف یہ نیت ہونی چاہیے کہ اسلام دین حق ہے۔ دلائل کی روشنی میں اس کا حق ہونا واضح ہو چکا ہے۔ اس کو قبول کرنے کے نتیجے میں دنیا میں کام یا ب زندگی بسر ہو گی اور آخرت میں دوزخ کی آگ سے حفاظت ہو سکے گی۔ دوسری طرف حق واضح ہونے کے بعد اسے جھٹلانے کے نتیجے میں دنیا میں ناکامی نصیب ہو گی اور آخرت میں جہنم کی آگ کا خطرہ ہے۔

اسلام میں داخل ہونے کے لیے کلمہ شہادت کو سوچ سمجھ کر اور دل سے مان کر زبان سے ادا کرنا ہوتا ہے۔ بہتر ہے دو ایک گواہ بھی اس موقع پر موجود ہوں۔ نہ ہوں تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

یہ کلمہ شہادت دراصل ایک عہد و بیان ہے، جو بندہ اپنے خالق و مالک سے کرتا ہے۔ اس عہد و بیان کو زندگی بھر بھانے اور اس کے تقاضوں کو عملی زندگی میں پورا کرنے کی سعی و جهد کرنی چاہیے۔

کلمہ شہادت درج ذیل ہے:

اشهد ان لا الله الا الله و اشهد ان محمدًا عبده و رسوله

اس کا مطلب یہ ہے:

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معجوب نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اس کلمے کا خاص نکتہ یہ ہے کہ اس میں پہلے شرک کی نفی ہے، یعنی نہیں ہے کوئی خدا اس کے بعد توحید کی تعلیم ہے، یعنی سوا اللہ کے شرک کی مکمل نفی کے بغیر تو حید کا کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا۔ کلمہ میں اللہ کا لفظ آیا ہے۔ اللہ، خالق، مالک، پالنہار دعاوں کا سنبھال والا، بندوں اور مخلوقات کی رہنمائی کرنے والا اور قانون عطا کرنے والا ہے۔ ان تمام پہلوؤں سے ایک خدا کے وجود پر ایمان لانا اور عملی زندگی میں ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہے۔

کلمہ کا دوسرا جز بتاتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے پیغمبر ہیں۔ ان ہی کے ذریعے اللہ کی ہدایت اور رہنمائی یا اللہ کا دین انسانوں تک پہنچا اللہ کو مذکورہ طریقے پر مان لینے کے بعد حضرت محمد ﷺ کو اس کا پیغمبر تسلیم کرنے سے اسلام میں داخلہ پورا ہو جاتا ہے۔

حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا پیغمبر تسلیم کرنے کے تقاضے درج ذیل ہیں:

آپ پر ایمان و یقین کے ساتھ آپ سے گھری محبت رکھی جائے، یہ ماناجائے کہ آپ اللہ کے آخری پیغمبر ہیں۔ اللہ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید کو آپ پر نازل کیا۔ آپ کی پوری زندگی ہمارے لیے نمونہ ہے۔ آپ کی پیروی ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ اللہ نے انسان کی زندگی کو کام یاب بنانے اور آخرت کی زندگی میں جہنم کے عذاب سے بچانے کے لیے مفصل شریعت عطا کی۔ حضرت محمد ﷺ نے دین و شریعت کو نافذ کر کے فرد کی بہترین تربیت کی اور مشتملی خاندان، ہماں اور نظام قائم کر کے دکھایا۔ اس ہدایت اور رہنمائی اور قانون شریعت کی خلاف ورزی کی جائے تو یہ محض آپ کی نافرمانی نہیں ہے، بلکہ اللہ کی نافرمانی ہے۔ یہ اللہ سے بغاوت اور سرکشی کا راستہ ہے۔

قبول حق

حق کو جان لینے کے بعد اسے قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار اور آزادی ہر انسان کو حاصل

ہے۔ یہ اختیار و آزادی خود خالق نے عطا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو یہ اختیار دیا ہے، تو اس سے محروم کرنے کا حق دنیا میں کسی کو حاصل نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں دستور اور قانون کی رو سے عقیدہ و مذہب کی آزادی حاصل ہے، یہ ضروری ہے کہ دین کے معاملے میں کسی طرح کا جبر نہ ہو۔ قرآن میں اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَا إِكْرَاهٌ فِي الدِّينِ (ابقرۃ: ۲۵۶) ”دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں۔“

قبول حق مخصوص مذہبی شاخت کی تبدیلی کا نام نہیں بلکہ یہ اپنی فطرت کے سب سے اہم تقاضے کو پورا کرنا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ ہر انسان کی فطرت اور روح کی گہرائیوں میں ایک ہی خالق، معبود برحق اور حقیقی رب پر ایمان لانے، اس کی کامل بندگی اور غلامی اختیار کرنے کا جذبہ پیوست ہے۔ اگر اس کی فطرت ممتحنہ نہیں ہوئی ہے تو وہ انسان جو پہلے حق سے واقف نہیں تھا، یا اس کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار تھا، حق کا صحیح اور مکمل تعارف ہوتے ہی اسے اختیار کر لے گا۔ یہ گویا اپنی فطرت کے اہم اور بنیادی تقاضے کی تکمیل ہے۔ اسے تبدیلی مذہب سے تعمیر کرنا، حقیقت کی ناچص ترجمانی ہے۔ غلط پروپگنڈے کے نتیجے میں یہ ایک بدنام اصطلاح بن گئی ہے۔ غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ہر انسان اپنی زندگی کے غیر ارادی پہلوؤں میں مسلم ہے۔ یعنی وہ اللہ کے بنائے ہوئے قانون پر عمل کر رہا ہے۔ مثلاً اپنی آنکھوں، کانوں، زبان، منہ، ہاتھوں اور پیروں سے وہ وہی کام لے رہا ہے جس کام کے لیے یہ اعضا اللہ تعالیٰ نے اسے دیے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ مجبور مخصوص ہے۔ اس سے ہٹ کر کوئی دوسرا کام لینے یا قانونِ الہی کے خلاف عمل کرنے کی آزادی اسے حاصل نہیں ہے۔ لیکن زندگی کے ارادی پہلوؤں اسے اختیار اور آزادی سے نوازا گیا ہے کہ چاہے تو حق کو قبول کرے یا انکار کرے۔ دونوں صورتوں میں اس کا نتیجہ اسے خود دیکھنا ہو گا:

• وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (البلد: ۱۰)

”اور کیا ہم نے نیکی اور بدی کے دونوں نمایاں راستے اسے (نہیں) دکھادیے۔“

فُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ قَفْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُوْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكُفِّرْ

(الکہف: ۲۹)

”صف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے۔ اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔“

اب تک کی بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اسلام دنیا کے تمام انسانوں کو فطری عقائد کی

تعلیم دیتا ہے۔ ان عقائد کی تائید میں انسان کے اپنے نفس سے لے کر پوری کائنات میں دلائل اور نشانیاں پائی جاتی ہیں۔ حق کے خلاف جو بھی دوسرے عقیدہ کوئی انسان اختیار کرتا ہے وہ غیر فطری اور غیر عقلی ہے۔ گویا اس طرح وہ اپنی فطرت سے خود جنگ کرتا ہے۔ اپنے خود ساختہ باطل عقائد کی تائید میں انسان کوئی دلیل اپنی ذات کے اندر یا اس پوری کائنات میں پیش نہیں کر سکتا۔

کون لوگ حق کو قبول کرتے ہیں:

- جو حق کے طلب گار ہوتے ہیں اور غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ اپنے خالق کی خوشنودی پانے کی اور اس کی ناراضی اور پکڑ سے بچنے کی خواہش رکھتے ہیں۔
- چیزیں اپنے انعام کی فکر ہوتی ہے۔
- جو تعصبات، گھمنڈ اور تکبیر سے نج کر زندگی گزارتے ہیں
- جو پرہیز گاری کی زندگی بسرا کرنا چاہتے ہیں، نیکیوں اور بھلائیوں کو اختیار کرنا چاہتے ہیں۔
- جو سلیمانی الفطرت ہوتے ہیں، اپنے تمیز اور فطرت کے مطالبات کو حق کی روشنی میں پورا کرنا چاہتے ہیں۔
- جن میں قبول حق کے نتیجے میں آزمائشوں اور قربانیوں کو برداشت کرنے کی ہمت اور حوصلہ ہوتا ہے۔

اس دنیا میں قبول حق کا نتیجہ انسان کی فلاں و نجات اور امن و سلامتی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ حق سے وابستگی آخرت میں ابدی مسرت اور سکون کے مقام (جنت) کو پانے کا ذریعہ ہے اور دوزخ کی آگ سے بچنے کی ضامن ہے۔

انکارِ دین کے اسباب

دنیا میں عموماً درج ذیل وجود و اسباب کے سبب لوگ دین حق کا انکار کرتے ہیں:

- | | |
|------------------------------------|--|
| ۱- ضد اور ہٹ دھرمی | ۲- تقید آباء (بآپ دادا کے راستے پر بلا سچے سمجھنے) |
| ۳- دنیا پرستی | ۴- خواہشات نفس کی بے لگام بیرونی |
| ۵- قومی و اسلامی برتری کا جذبہ اور | ۶- غور و تکبیر |
- تعصب اور تنگ نظری

ان کے علاوہ اور بھی اسباب ہو سکتے ہیں۔ حق کی تلاش کرنے والوں کو چاہیے کہ ان متفق جذبات سے خود کو بچانے کا اہتمام کریں۔

قبول حق کے بعد

حق قبول کرنے والا انسان اسلام میں داخل ہو کر تمام باطل خداوں کی نفی کرتا ہے۔ ایک اللہ پر ایمانلاتا ہے۔ یعنی تو حید اختیار کرتا ہے۔ تو حید کے عملی تقاضوں کو ادا کرنے کی فکر کرتا ہے۔ اللہ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کو اپنا رہنمای اور ہبہ تسلیم کرتا ہے۔ آپ کی تعلیمات کی پوری زندگی میں بیروی کرتا ہے۔ وہ آخرت میں اعمال کی باز پس اور جواب دہی کے گھرے احساس و یقین سے کبھی خالی نہیں ہوتا۔ اپنی پوری زندگی میں شرک، بدعت اور رسول و روانج سے فج کر تقوی یعنی خدا ترسی کی زندگی بسر کرتا ہے۔

قبول حق کے بعد اسلام پر عمل کرنے کا آغاز نماز بجماعت ادا کرنے سے ہوتا ہے۔ کسی شخص کے اسلام میں داخل ہوئے چند ہی گھنٹے گزرے ہوتے ہیں کہ اذان کی آواز سنائی دیتی ہے، یا نماز کا وقت آ جاتا ہے تو اسے نماز بجماعت ادا کرنی ہوتی ہے۔ گویا تو حید اور رسالت کی گواہی دینے کے بعد پہلا عملی فریضہ نماز ادا کرنا ہے۔ اس سلسلے میں اسے وضو، غسل، پاکی اور نماپاکی کے ضروری مسائل کا علم حاصل کرنا چاہیے۔ قرآن کی چھوٹی چھوٹی سورتوں کو تربیت کے ساتھ یاد کر لینا ضروری ہے تاکہ نماز میں دھیان لگے اور معنی و مفہوم جاننے کی بنا پر وہ خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز ادا کر سکے۔ اس کے بعد دیگر فرائض اسلام کا علم ضروری ہے۔ ماہ رمضان کے روزے فرض ہیں، اگر وہ استطاعت رکھتا ہو تو حج کرنا اور زکوٰۃ دینا بھی فرض ہے۔ پھر حقوق العباد یعنی ماں باپ، بیوی نپے، بھائی، بہن اور دیگر رشتہ داروں، پڑو بیویوں اور دوسرے انسانوں کے حقوق اسلام میں مقرر ہیں۔ ان تمام حقوق کی ادائیگی لازم ہے۔ قبول حق کے بعد ماں باپ، بھائیوں بہنوں اور دیگر رشتہ داروں کا رشتہ انسان سے ختم نہیں ہو جاتا۔ (چاہے وہ اسلام نہ لائے ہوں) اسلام ان تمام رشتہ داروں کو باقی

رکھتا ہے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ ایک سچے مسلمان کے لیے ان مذکورہ فرائض و حقوق کی ادائیگی لازمی ہے۔ البتہ کوئی بھی رشته دار بہ شمول والدین اگر اسے شرک یا کفر کے لیے آمادہ کرنا چاہیں تو اس کی گنجائش بالکل نہیں ہے۔ گمراہی کی طرف کوئی بلاعے تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔

قبول حق کے ساتھ ہی ایک اہم ذمہ داری

قرآن مجید کو عربی زبان سیکھ کر سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ قرآن مجید عربی زبان میں ہے، البتہ اس کے ترجمے مختلف زبانوں میں دست یاب ہیں، لیکن صرف ترجمہ پڑھتے رہنا صحیح نہیں ہے۔ عربی عبارت (یعنی قرآن مجید کا متن) پڑھنا بھی لازمی ہے۔

قرآن مجید کے ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیوں کا اجر و ثواب ملتا ہے۔ اس کے علاوہ روزانہ چند احادیث رسولؐ اور اچھی دینی کتابوں کا مطالعہ بھی کرنا چاہیے۔ اسلام رسی مذہب نہیں ہے، بلکہ وہ علم اور اس کے بعد عمل صاحب کا نام ہے۔

قبول حق کے بعد ایک بہت بڑی ذمہ داری اپنے والدین، یہوی بچوں اور رشته داروں کو دین حق سے متعارف کرانے، ان کی غلط فہمیاں دور کرنے اور قبول حق کے لیے انھیں آمادہ کرنے کی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق (میڈیا اور دیگر ذرائع سے) جو پروپیگنڈہ ہو رہا ہے اس کے نتیجے میں اسلام اور مسلمانوں کی تصویر بڑی بھی انکے بنادی گئی ہے۔ کبھی کبھی قبول حق کے بعد اس کے منفی اثرات گھر اور خاندان والوں پر پڑتے ہیں۔ لیکن اس کی وجہ سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، یا خاموشی اختیار کر کے گھر اور خاندان والوں سے غیر متعلق نہیں ہو جانا چاہیے، بلکہ حکمت اور سوز کے ساتھ کوشش کرنی چاہیے کہ ان کی غلط فہمیاں دور ہوں۔ اسلام کے لیے ان کے دل میں نرم گوشہ پیدا ہو، وہ حق کی طرف آنے والے کی اسلامی زندگی اور پاک و صاف کردار کو دیکھ کر حق کی طرف متوجہ ہوں۔ ترجمہ قرآن اور حضرت محمد ﷺ کی مبارک زندگی کا مطالعہ کر کے حق کی طرف بڑھنے کے لیے آمادہ ہوں۔ خاص طور پر ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتے رہنا چاہیے۔

آخری بات

تحقیقی دیر کے لیے فرض کیجئے کہ قیامت، آخرت، زندگی بعد موت، میدان حشر، اعمال کی باز پس، جنت اور جہنم کچھ نہیں ہے۔ دنیا کی زندگی ہی آخری اور قطعی حقیقت ہے۔ ایسی صورت میں خدا کا انکار کرنے والے، ایک خدا کو مانے والے یا بہت سارے خداوں کو مانے والے، سب کا انجام یکساں ہو گا۔ کسی کے لیے آخرت کی ناکامی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیوں کہ مرنے کے بعد زندگی ہی نہ ہو تو کیسی کامیابی اور کیسی ناکامی؟

لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا اور واقعی قیامت برپا ہوتی ہے تو کیا ہو گا؟ اللہ سارے انسانوں کو اکٹھا کر کے ایمان اور نیک اعمال کے تعلق سے باز پس کرے گا۔ آخرت کی زندگی میں ایمان اور عمل کی بنیاد پر جنت دے گا، انکارِ خدا یا شرک کی بنیاد پر جہنم کا فیصلہ کرے گا۔ ایسی صورت میں جن لوگوں نے آخرت کو تسلیم نہیں کیا تھا، ان کا انجام کتنا دردناک ہو گا۔ دنیا کی طرح آخرت کی زندگی عارضی اور فانی نہیں ہوگی، بلکہ ہمیشہ کے لیے ہوگی۔ قرآن نے صاف طور پر بتایا ہے کہ منکرین آخرت گڑا کر فریاد کریں گے کہ اللہ انھیں پھر ایک بار دنیا میں بھیج دے۔ تاکہ وہ نیک اعمال کر کے اللہ کے انعام کے مستحق بنیں، مگر اس وقت انھیں بتادیا جائے گا کہ موقع تو انہیں دیا جا چکا۔ دنیا میں انھیں مہلت زندگی دی گئی تھی، علم، عقل و شعور کی نعمتیں عطا کی گئی تھیں۔ ان کی ذات اور زمین اور آسمانوں کے اندر بے شمار نشانیاں پھیلادی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر قرآن نازل کیا گیا تھا اور آپؐ کی پوری زندگی کی تفصیلات بھی محفوظ تھیں، لیکن ان میں سے کسی چیز سے انھوں نے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اپنی آخرت کے لیے ایمان اور نیک عمل کا راستہ اختیار نہیں کیا اور حضرت محمد ﷺ کی پیروی نہیں کی۔ اس لیے وہ ناکام و نامراد قرار پائے اور ان کا انجام عذاب جہنم ہے۔ ناکامی اور عذاب جہنم کے مستحق ہونے کی ذمہ داری ان پر ہتھی عائد ہوتی ہے۔

یہ زندگی ایک ہی بار ملی ہے۔ موت اچانک آ کر اس کا خاتمہ کر دے گی۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ دنیا میں ملنے والے موقع سے فائدہ اٹھائے اور اپنے آپ کو آخرت کی ناکامی اور رسولی سے بچائے۔

اے انسان! خود کو پہچان!!

کتابیات

- | | |
|------------------------------|--|
| مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی | ۱- اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی |
| مولانا امین حسن اصلاحی | ۲- حقیقت شرک |
| مولانا امین حسن اصلاحی | ۳- حقیقت توحید |
| پروفیسر خورشید احمد | ۴- اسلامی نظریہ حیات |
| مولانا سید جلال الدین عمری | ۵- خدا اور رسول کا تصور اسلامی تعلیمات میں |
| ابو محمد امام الدین رام نگری | ۶- مسئلہ تاریخ یا آواگمن |
| عبد العزیز گلتا | ۷- سچائی کی تلاش |
| مفتقی محمد سرفراز قی ندوی | ۸- حضرت محمد ﷺ کا تذکرہ ویدوں کی دنیا میں |
| راجندر نارائن لال | ۹- اسلام- خدائی نظام |
| ڈاکٹر ایم اے شری واسٹو | ۱۰- حضرت محمد ﷺ اور ہندوستانی صحیفے |
| شیخ محمد کاری کنوں، کیرالا | DIALOGUE-۱۱ |